بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کا داعی

(اصولِ دعوت اور تبلیغ کی حکمت)

مرتبہ

محمد صدیق میمن



شائع کردہ

مسلم کتاب گھر

C-١٤٨٥ بھنگوریہ ٹاؤن، عزیز آباد کراچی

قیمت ۳۵/- روپے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

ہر فن پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن فنِ تبلیغ اور اس کی حکمت پر کوئی قابلِ لحاظ توجہ نہیں دی گئی، حالانکہ اس موضوع کی اہمیّت کے اعتبار سے اس پر سب سے زیادہ توجّہ دینے کی ضرورت تھی۔ میں نے اس کمی کو شدّت سے محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہوگئی اور میں سُرخرو ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنے نیک بندوں کے حق میں قبول فرمائے، آمین۔

مرتبہ
محمد صدیق میمن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

اُصولِ دعوت

تبلیغ کی حِکمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُصولِ دعوت

دعوت الیٰ اللہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝
(حٰمٓ السجدۃ - ۳۳)

اور (اے رسولؐ!) بات کے لحاظ سے اس سے بہتر (شخص) کون ہوسکتا ہے (۱) جو اللہ کی طرف بلائے (۲) نیک عمل کرے اور کہے کہ (۳) میں مسلمین میں سے ہوں۔

اس آیت میں تبلیغِ دین کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔ تبلیغِ دین گویا تمام باتوں سے افضل اور برتر ہے۔ زبان سے نکلنے والی تمام باتوں میں سب سے بہتر بات دعوت الیٰ اللہ ہے۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا، "میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح عطاء فرمائے گا۔ وہ اللہ اور (اس کے) رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور (اس کا) رسول اُس سے محبت کرتے ہیں۔" آپ کا یہ فرمان سُن کر لوگ رات بھر مضطرب اور پریشان رہے کہ دیکھیں، جھنڈا کس کو ملتا ہے۔ صبح ہوتے ہی سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوگئے۔ ہر ایک کو یہ امید تھی کہ جھنڈا اسی کو ملے گا۔ آپ نے پوچھا، "علی بن ابی طالبؓ کہاں ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! ان کی تو آنکھیں دکھ رہی ہیں۔" آپ نے فرمایا، "ان کو بلاؤ۔" ان کو بلایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لُعابِ دہن لگادیا اور ان کے لئے دعاء کی۔ پھر تو وہ ایسے تندرست ہوگئے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ آپ نے جھنڈا ان کے حوالے کیا، وہ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک لڑوں، جب تک وہ ہماری طرح اسلام قبول نہ کرلیں؟" آپ نے فرمایا، "تم باوقار طریقے سے جاؤ، جب تم ان کی زمین پر پہنچو تو ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہیں، وہ انہیں بتانا۔ اللہ کی قسم! اگر تمہاری وجہ سے اللہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔" (صحیح بخاری کتاب المغازی و صحیح مسلم کتاب الفضائل)

اللہ کی طرف بلانے کی دعوت انسان کو اس کے ربّ سے جوڑنے کی دعوت ہے۔ انسان کے اندر یہ شعور ابھارنا کہ وہ اپنے کو اللہ کی یاد میں جینے والا بنالے، وہ ایک اللہ کو اپنا مرکزِ توجہ بنالے بلاشبہ اس پکار سے بہتر کوئی پکار نہیں۔

دعوت الیٰ اللہ بہترین عمل ہے مگر اس کے لئے اس آیت میں دو شرطیں بتائی گئی ہیں۔

پہلی شرط دعوت الیٰ اللہ دینے والا نیک عمل کرتا ہو۔ جس چیز کی وہ دعوت دے رہا ہے، اس پر خود بھی عمل کرتا ہو یعنی اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔

اللہ کا داعی صرف وہ شخص بن سکتا ہے جو اپنی دعوت میں اس حد تک سنجیدہ ہو کہ جو کچھ وہ اپنے مدعو سے منوانا چاہتا ہے، اس کو وہ خود سب سے پہلے مان چکا ہو۔ وہ اپنے مدعو سے جو کچھ کرنے کے لئے کہہ رہا ہے، وہ خود سب سے پہلے اس کا کرنے والا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف - ٢،٣)

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

انسان کے علاوہ جو کچھ اس کائنات میں ہے، اس میں کہیں بھی تضاد نہیں۔ انسان کو بھی ویسا ہی بننا چاہیئے۔ انسان کے کہنے اور کرنے میں مطابقت ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (البقرۃ - ٤٤)

(اور اے بنی اسرائیل!) کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ (باوجود اس کے کہ) تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو (تم خود اس پر عمل نہیں کرتے) کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ (یہ تو بڑی بری بات ہے کہ دوسروں کو نیک کام کا حکم دو اور تم خود وہ نیک کام نہ کرو)۔

بنی اسرائیل کے علماء اپنے وعظوں میں لوگوں سے کہتے کہ حق پرست بنو اور حق کا ساتھ دو مگر عملاً جب خود ان کے لئے حق کا ساتھ دینے کا وقت آتا تو وہ حق کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔ ان کو نظر آتا کہ اگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان لیا تو ان کی مذہبی بزرگی اور بڑائی ختم ہوجائے گی۔

اللہ کی پکار پر لبیک کہنا جب اس قیمت پر ہو کہ آدمی کو اپنی زندگی کو بدلنا پڑے گا تو یہ وقت ان لوگوں کے لئے بڑا سخت ہوتا ہے جو دنیوی جلوؤں میں اپنا مذہبی مقام بنائے ہوئے ہوں۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے بارے میں توریت میں اتنی واضح علامتیں تھیں کہ یہودیوں کے لئے آپ کی صداقت کو سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا، مگر دنیوی مصلحتوں کی خاطر انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کردیا۔ الغرض، وہ توریت کی تلاوت کرنے کے باوجود خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ حق کو چھپاتے تھے تاکہ ان کو اس پر عمل نہ کرنا پڑے اور عوام کو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جن سے ان کا مفاد وابستہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص کو قیامت کے روز لایا جائے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں باہر نکل پڑیں گی، وہ اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ دوزخی (اس کے گرد) جمع ہوجائیں گے اور (اس کو) کہیں گے۔ "اے شخص! کیا بات ہے؟ تُو تو (دنیا میں) ہمیں اچھی بات کا حکم دیتا تھا اور بُری بات سے روکتا تھا؟" وہ کہے گا۔ "بے شک میں تم کو تو نیک بات کا حکم دیتا تھا لیکن خود وہ (عمل) نہیں کرتا تھا اور تم کو بُری بات سے منع کرتا تھا لیکن خود (وہ) بُری بات (پر عمل) کرتا تھا۔" (صحیح بخاری کتاب بداء الخلق و صحیح مسلم کتاب الزھد)

دوسری شرط دوسری شرط یہ ہے کہ دعوت الیٰ اللہ دینے والا کہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں یعنی میں مسلم ہوں اور تمہیں بھی مسلم بننے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلم بننے کا تقاضا یہ ہے کہ تبلیغ کرنے والا اکیلا نہ ہو بلکہ جماعت المسلمین میں شامل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) جماعت المسلمین اور ان کے امام سے چمٹے رہنا

مزید براں، اس شرط کا تقاضا یہ بھی ہے کہ تبلیغ کرنے والا اپنے کو کسی تقلیدی یا مذہبی فرقے کی طرف منسوب نہ کرے۔ تقلیدی درحقیقت اسلام کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اپنے تقلیدی مذہب کی دعوت دیتا ہے۔ تقلید سے فرقہ بندی وجود میں آتی ہے۔ فرقہ بندی کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران - ۱۰۳) اور تم سب (مل کر) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور فرقے فرقے نہ بنو۔

ایمان سے دور ہونے کی ایک صورت دین میں اختلاف اور تقلیدی و مذہبی فرقہ بندی ہے اور یہی صراطِ مستقیم سے انحراف ہے۔ اختلاف دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی موجب عذاب ہے اور فرقہ بندی اپنے آبائی مذہب کا وفادار بنادیتی ہے۔ اس طرح کئی وفاداریاں قائم ہوجاتی ہیں۔ اس کے برخلاف جس معاشرے کے لوگ ایک اللہ کے وفادار بن جائیں، وہاں سب کا رخ

ایک مرکز کی طرف ہوتا ہے، گویا سب ایک رسی سے بندھ جاتے ہیں۔ یہ رسی اللہ تعالیٰ کا خالص دین ہے جو بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ صحابہ کرام اسی کی پیروی کرتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ، وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
(آل عمران - ۸۵)

اور (اے لوگو!) جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین (یا مذہب) کا متلاشی ہو (اور اس پر کاربند ہو) تو وہ دین (و مذہب) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا (اس کے سارے عمل بے کار کردیے جائیں گے) اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

جو لوگ فرقہ وارانہ مذاہب پرستی کی سطح پر جی رہے ہوں، حق ان کو حق کی صورت میں صرف اس وقت نظر آتا ہے جب کہ وہ ان کے اپنے مسلک یا مذہب کے کسی فرد کی طرف سے آئے اللہ تعالیٰ اگر ان کے مسلک سے باہر کسی شخص کو اپنے پیغام کی پیغام رسانی کے لئے اٹھائے تو ایسا پیغام ان کے ذہن کا جزء نہیں بنتا کیوں کہ یہ لوگ حق کو اپنے گروہ یا مذہب یا مسلک کی نسبت سے جانتے ہیں، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے۔ اپنے سے باہر ظاہر ہونے والے حق کا اعتراف نہ کرنا بظاہر اپنے ایمان کو بچاتا ہے، مگر حقیقتاً اپنے ایمان کو برباد کرتا ہے۔

اللہ کا مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ کے مسلسل فرمان پر چلتا ہے، پھر جو شخص اپنے کو گروہ پرستی کے خول میں بند کرلے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا فیضان کس راستہ سے داخل ہوگا؟ اس فیضان سے محرومی کے بعد وہ کیا چیز ہوگی جو اس کے ایمان کی پرورش کرے؟ اللہ تعالیٰ کے فیضان کو پانا ایک ابدی حقیقت کو پانا ہے، پوری کائنات کا ہم سفر بننا ہے۔ جو لوگ اس طرح اللہ تعالیٰ کو پالیں، وہ ہر قسم کے تعصبات سے اوپر اٹھ جاتے ہیں۔ وہ حق کو ہر حال میں پہچان لیتے ہیں، چاہے اس کا پیغام کہیں سے بھی بلند ہو۔

الغرض، جو شخص اپنے فرقہ وارانہ مذہب کی تبلیغ کرے اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش اس کے لئے بڑی نقصان دہ ثابت ہوگی۔

اللہ کا داعی صرف وہ ہے جو ہر قسم کی گروہ بندی اور تعصب سے بالاتر ہوکر حق کو کہیں سے بھی پہچان لے اور وہی پوری کائنات کا ہمسفر بن سکتا ہے۔

داعی کا ذہن

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَۃٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ (حٰمٓ السجدۃ - ۳۴)

اور (اے رسول!) بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتیں، (برائی کو ایسے طریقے سے) دفع کیجئے جو بہت اچھا ہو۔ ایسا کرنے سے وہ شخص، جس کے اور آپ کے مابین عداوت ہے، (ایسا ہوجائے گا) جیسے آپ کا گہرا دوست ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ برائی کو دفعہ کرنے کے لئے نیکی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ برائی کرتا ہے تو آپ اس کے ساتھ برائی نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ نیکی کریں۔ آپ کی نیکی آپ کے مخالف پر ایسا اخلاقی بوجھ بن جائے گی کہ وہ شرمندہ ہوجائے گا، اس کی رزائیلی خصلتیں دب جائیں گی اور وہ آپ کا گرم جوش دوست بن جائے گا۔ آپ کی نیکی اس کے دل سے بغض اور عداوت کو نکال دے گی اور دوستی اور محبت پیدا کردے گی۔

اللہ کے داعی کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ یک طرفہ حسن سلوک کرے، دوسرے لوگ اس کے ساتھ برائی کریں تب بھی وہ ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ وہ اشتعال کے مقابلے میں اعراض، اور اذیت رسانی کے مقابلے میں صبر کا طریقہ اختیار کرے۔ یک طرفہ حسن سلوک میں اللہ تعالیٰ نے زبردست تسخیری قوت رکھی ہے۔ اللہ کا داعی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی انسان کی اس فطرت کو جانتا ہے اور اس کو آخری حد تک استعمال کرتا ہے۔ خواہ اس کے لئے اس کو اپنے جذبات کو کچلنا پڑے، خواہ اس کی خاطر اپنے اندر پیدا ہونے والے رد عمل کو ذبح کرنے کی نوبت آجائے۔ مثلاً

جب جادوگر اللہ رب العالمین اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے (اعراف-۱۲۱) تو فرعون نے ان سے کہا، "میں تمہارے ہاتھ اور پیر مخالف سمت سے کٹوادوں گا، پھر تم سب کو پھانسی پر لٹکادوں گا۔" (اعراف-۱۲۴) فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا، "کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں فساد مچاتے پھریں؟" فرعون نے ان کو جواب میں کہا، "ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے، ہم ان پر غالب ہیں۔" (اعراف-۱۲۷) اس وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا، "اللہ سے مدد

مانگو اور صبر سے کام لو۔۔۔۔ اچھا انجام متقیوں ہی کا ہوتا ہے (اعراف۔۱۲۸)

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ جواب سن کر ان کی قوم کے لوگوں نے ان سے کہا،

وَقَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (الاعراف - ۱۲۹)

آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی (ہم کو اذیت دی جارہی ہے)

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے نبی مبعوث فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور اذیت و ذلت کی زندگی سے نجات دلائیں، لیکن انہوں نے اس احسان کے بدلہ میں کہا کہ "تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں ہیں اور تمہارے آنے کے بعد بھی یہی صورت حال ہے۔ اس لہجہ میں گویا بنی اسرائیل کہنا یہ چاہتے تھے کہ تمہاری وجہ سے، تمہاری پیدائش سے پہلے بھی اور بعد میں بھی سینکڑوں بچے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ان جیسے لوگوں ہی کا ایک قول نقل کیا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (یٰسٓ - ۱۸) وہ بولے، ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں"

فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو اس وجہ سے ہی قتل کرواتا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کو اور اس کی حکومت کو برباد کردے گا اور بنی اسرائیل کو اس کی غلامی سے آزاد کروائے گا۔ گویا فرعون موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کو منحوس سمجھ رہا تھا۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ کس قدر جگر خراش اور دل توڑدینے والی بات تھی کہ جس قوم کے لئے وہ اتنی قربانیاں دے رہے تھے، وہ ان سے احسان فراموشی، ناشکری اور ناقدری کا معاملہ کررہی تھی وہ کہہ رہے تھے، آپ کا وجود ہماری مصیبتوں کا سبب ہے بلکہ آپ کی آمد سے پہلے بھی ہم آپ ہی کی وجہ سے ابتلاء و آلام میں گرفتار تھے۔ مصائب کا ایک تسلسل ہے جو ختم ہی نہیں ہورہا۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو اس دل خراش شکوے کا کیا جواب دیا؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف - ۱۲۹)

وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے، تم کو زمین میں خلافت عطاء فرمائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گویا اپنی قوم کی اس دل آزار اور حقیر بات کو سنا ہی نہیں اور جو

بات اس کے جواب میں کہی، اس سے ان کے حلم و بردباری کی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک داعی ہر حال میں، ہر جگہ اللہ کا داعی رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ کھانے، پینے میں بھی داعی دکھائی دیتا ہے۔ اپنے گھر میں، اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی گزارتے میں، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں، رنج و غم اور خوشی کے موقع پر لوگوں سے برتنے میں بھی اس کے داعی ہونے کی شان اس سے جدا نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم کی ناشکری اور ناقدری کی بات نے ان پر کوئی اثر ہی نہیں کیا اور اس کو نظر انداز کرکے کہنے لگے، عقریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کردے اور ان کی جگہ تمہیں زمین کا خلیفہ بنادے۔"

الغرض، داعی کے اعصاب پر دعوت کی روح غالب رہتی ہے، اور جو بات بھی اس کی زبان سے نکلتی ہے اور جو عمل بھی اس سے صادر ہوتا ہے، اس سے دعوت کی روح جھلکتی ہے۔

آپ کی خدمت میں ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، "کیا احد کے دن سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپ پر گزرا ہے؟" آپ نے فرمایا، "(اے عائشہ!) میں نے تیری قوم (قریش) کی طرف سے تکلیفیں سہی ہیں جو سہی ہیں (لیکن) سب سے زیادہ سخت دن مجھ پر عقبہ کا دن گزرا ہے، جس دن میں عبد یالیل بن عبد کلال کو تبلیغ کی تھی (جو طائف کا رئیس تھا) اس نے میرا کہنا نہ مانا (یعنی اسلام قبول نہیں کیا)، میں رنجیدہ ہوکر وہاں سے لوٹا۔ جب میں قرن ثعالب میں (جو ایک مقام کا نام ہے) پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے اوپر سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے اور اس میں جبرئیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) موجود ہیں۔ انہوں نے مجھ کو پکارا اور کہنے لگے، "اللہ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کہیں اور جو جواب آپ کو دیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے (اس) فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ان (لوگوں کے سلسلہ) میں آپ جو چاہیں، اس کو حکم دیں۔" اسی اثناء میں پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا اور سلام کیا۔ اس نے کہا، "اے محمد! اللہ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کہیں۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ اپنے کام کا مجھے حکم دیں جو آپ چاہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین (پہاڑوں) کو ملاکر ان کو پیس دوں۔" آپ نے فرمایا، "(نہیں) مجھ کو امید ہے (اگر یہ لوگ راہ راست پر نہ آئے تو) ان کی اولاد میں سے اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو

شریک نہیں کریں گے"۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق و صحیح مسلم کتاب الجہاد)

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ نہ غمخوار بیوی رہیں، نہ حمایت کرنے والا چچا رہا۔ ایسے موقعہ پر فطری طور پر ہمتیں پست ہوجایا کرتی ہیں، حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں، پائے استقامت میں تزلزل واقع ہوجاتا ہے لیکن اللہ کا رسول تو آخر اللہ کا رسول ہوتا ہے۔ اس کے منصب پر ان حوادث کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہ اولوالعزم ہوتا ہے، ہمت نہیں ہارتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پرشکن حالات کے باوجود میدانِ تبلیغ میں وسعت دے دی۔ اللہ اکیلے پر بھروسہ رکھتے ہوئے آپ اکیلے مکّہ سے وادیٔ طائف کی طرف چل دیے۔ نہ کوئی یار ہے نہ کوئی مددگار، نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی ہراس۔ آپ تبلیغ کے لئے ایک نیا میدان تلاش کرتے ہیں۔

الغرض، داعی کے اعصاب پر دعوت کی روح غالب رہتی ہے لہٰذا جو بات بھی اس کی زبان سے نکلتی ہے اور جو عمل بھی اس سے صادر ہوتا ہے۔ اس سے دعوت کی روح جھلکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ، نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ٥ (المؤمنون - ۹۶)	(اے رسولؐ!) برائی کا جواب بھلائی سے دیجئے۔ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، ہمیں سب معلوم ہے۔

اللہ کا داعی جب لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ وہ اس کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کرتے ہیں۔ وہ اس کو اپنے شر کا نشانہ بناتے ہیں، اس وقت داعی کا ذہن بھی جواب دینے پر ابھرتا ہے۔ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے، تم بھی ان کے ساتھ برا سلوک کرو۔ اگر تم خاموش رہے تو ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ مزید مخالفانہ کاروائی کرنے پر دلیر ہوجائیں گے مگر اس قسم کے خیالات شیطانی وسوسہ ہوتے ہیں۔ شیطان اس نازک موقعہ پر بہکاتا ہے تاکہ اس کو راہ سے بے راہ کردے۔ ایسے موقعہ پر داعی کو چاہیئے کہ وہ شیطانی بہکاووں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرے، نہ کہ اپنے مخالفین کے خلاف انتقامی کاروائی کرنے لگے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو پہاڑ کے فرشتہ کو حکم دے سکتے تھے کہ وہ ان کے مخالفین کو کچل کر رکھ دے مگر وہ زیرِ مطالعہ آیت کے مطابق صبرواستقامت کے ساتھ اپنے مشن پر کاربند رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ، وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ ٥	اور یہ چیز انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے خوش نصیب

(حٰمٓ السجدۃ - ۳۵) ہوتے ہیں۔

برائی کے بدلے بھلائی کرنا ایک ایسی عظیم الشان صفت ہے کہ ہر کس و ناکس کے حصہ میں نہیں آتی۔ یہ تو انہیں لوگوں کے حصّہ میں آتی ہے جو صبر کرتے ہیں، غصّہ کو پی جاتے ہیں اور درگزر کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
(آل عمران - ۱۳۳-۱۳۴)

اور (اے ایمان والو!) اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف تیزی سے دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (اور متقی وہ لوگ ہیں) جو فراخی اور تنگی، ہر حال میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، جو غصّہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں۔ (یہ نیکی کرنے والے ہیں) اور اللہ نیکی کرنے والوں ہی سے محبت کرتا ہے۔

جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے اندر "احسان" کا مزاج پیدا ہوتا ہے یعنی وہ جو کام کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ سے زیادہ پسندیدہ قرار پائے۔ وہ اللہ کے دین کی ضرورت کو اپنی ضرورت بنالیتے ہیں اور اس کے لئے ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں خواہ ان کے پاس کم ہو یا زیادہ۔ ان کو جب غصّہ آجائے تو وہ اس کو اندر ہی اندر برداشت کرلیتے ہیں۔ کسی سے شکایت ہو تو اس سے بدلہ لینے کے بجائے اس کو معاف کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ - ۴۳)

اور جو صبر کرے اور (بدلہ نہ لے بلکہ) معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔

ایمان جب حقیقی معنوں میں کسی کے دل میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس کے اندر ایک ذہنی انقلاب پیدا کردیتا ہے، ایک نئی شخصیت ابھرتی ہے۔ جب اللہ کی پکار بلند ہو تو اس کے لئے ناممکن ہوجاتا ہے کہ وہ اس پر لبیک نہ کہے۔ اس کا ایمانی شعور اس کو صحیح اور غلط کے بارے میں حساس بنادیتا ہے، پھر وہ وہی کرتا ہے جو اسے کرنا چاہیئے اور وہ نہیں کرتا جو اسے نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ خیر خواہی کا ہوتا ہے، نہ کہ ضد۔ وہ اشتعال انگیز حالات میں بھی تیار رہتا ہے کہ لوگوں کو معاف کردے اور انہوں نے جو اس کے ساتھ برائی کی ہے، اسے بھول جائے۔

اللہ کا داعی یہ سارے کام اپنے جزبہ ایمان کے تحت کرتا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی اسی طرح فرماتا ہے کہ اس کو اہل ہمت اور اولوالعزم کے خطاب سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ٥ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ (الاعراف - ۱۹۹--۲۰۰)

(اور اے رسول !) عفوودرگزر (کا شیوہ) اختیار کیجیے، نیک کام کا حکم دیتے رہیئے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ طلب کیجیے، بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

درگزر اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے نہ الجھیئے یعنی ان بھلائیوں کی طرف لوگوں کو بلایئے جو عقل و فطرت کے نزدیک جانی پہچانی ہیں، مگر یہ سادہ ترین کام ہر زمانہ میں مشکل رہا ہے۔

انسان کی حبِّ عاجلہ کا ہمیشہ یہ نتیجہ رہا ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ جلدی ملنے والی چیز یعنی دنیوی مفاد اور ذاتی مصلحتوں کی بنیاد پر اپنی زندگی کو قائم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ حق کا نام لے کر باطل پرستی کے مشغلہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب بھی دینِ حق کی خالص دعوت اٹھتی ہے تو ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر ہر آدمی اس کا مخالف بن کر کھڑا ہوجاتا ہے۔

ایسی حالت میں اللہ کے داعی کو کیا کرنا چاہیئے ؟ وہ یہ کہ اعراض اور درگزر یعنی لوگوں سے الجھے بغیر بالکل ٹھنڈے دل سے اپنے مشن پر کاربند رہے۔ اللہ کا داعی اگر لوگوں کے شوشوں کا جواب دینے لگے تو اسی میں الجھ کر رہ جائے گا اور حق کی دعوت مناظرہ کی صورت اختیار کرلے گی۔ اس طرح وہ اپنے وقت اور اپنی قوت کو ضائع کردے گا۔ داعی اگر لوگوں سے جھگڑنے لگے تو حق کی دعوت حق نہ رہے گی بلکہ سیاسی لڑائی بن جائے گی۔ اس لئے حق کی دعوت کو اس کی اصلی صورت میں باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ داعی جاہلوں کی طرف سے پیش آنے والی ناخوش گواریوں پر صبر کرلے اور ان سے الجھے بغیر اپنے مثبت مشن کو جاری رکھے، تاہم کوئی شخص نفس اور شیطان کے حملوں سے بچ نہیں سکتا مگر اللہ کا ڈر داعی کو بے حد حساس بنادیتا ہے۔ یہی حساسیت داعی کی سب سے بڑی ڈھال ہے۔ جب داعی کے ذہن میں کوئی غلط خیال آجاتا ہے تو اس کی حساسیت فوراً اس کو بتادیتی ہے کہ وہ پھسل گیا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہوئے دوبارہ اپنے آپ کو درست کرلیتا ہے۔ حساسیت داعی کی سب سے بڑی محافظ ہے، جبکہ بے حسی آدمی کو شیطان کے مقابلے میں غیر محفوظ بنا کر رکھ دیتی ہے۔

یہ حساسیت کیا چیز ہے ؟ ضمیر کا بیدار رہنا یا نفس لوامہ کا طاقتور ہونا، وہ صرف اللہ کا ڈر

ہے۔ شیطان تو نفس امارہ کو طاقتور بناتا ہے جو داعی کو جاہلوں سے الجھا دیتا ہے، لہٰذا ایسے موقع پر داعی شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ داعی کو جاہلوں سے بچالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَفِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ، قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ، اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (یوسف ۔ ۲۳)

(پھر ایک دن ایسا ہوا کہ) اس عورت نے جس کے گھر میں وہ (یوسف) رہتے تھے، ان کو (اپنی مطلب براری کے لئے) پھسلانا چاہا۔ اس (عورت) نے (اپنے گھر کے) تمام دروازے بند کردیے اور یوسف سے کہا آجاؤ؛ (جلدی کرو) یوسف نے کہا، (میں تجھ سے) اللہ کی پناہ (طلب کرتا ہوں) وہ میرا رب ہے۔ (اس نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ) مجھے اچھا ٹھکانہ دیا (کیا میں اس کی ناشکری کروں اور ایسا کام کروں جس سے وہ ناراض ہوجائے؟ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے اور) گناہ گار (کبھی) فلاح نہیں پاسکتے۔"

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا، لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ، كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ، اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ (یوسف ۔ ۲۴)

اور (اے رسول!) اس عورت نے تو ان سے (بدفعلی) کا ارادہ کرہی لیا تھا اور (رہے یوسف تو) اگر انہوں نے اپنے رب کی دلیل (حرمت احکامِ الٰہی میں) نہ دیکھی ہوتی تو وہ بھی اس سے (بدفعلی کا) ارادہ کر(ہی) لیتے (لیکن) انہوں نے ارادہ بھی نہیں کیا اور بتوفیقِ الٰہی اس برائی سے بچ گئے، ہم (ہی) نے ان کو برائی سے بچنے کی توفیق دی اور اس طرح (ہم نے چاہا کہ) ہم ان کو برائی اور بے حیائی سے دور رکھیں، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔

حق اور ناحق اور بھلائی اور برائی کو پہچاننے کی قوت ہر انسان میں پیدائشی طور ہوتی ہے۔ وہ ہر موقعہ پر انسان کو متنبہ کرتی رہتی ہے۔ جو شخص اس کو نظر انداز کردے، اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اس فطری برہان (دلیل) کو نظر انداز کردیا۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوکر اپنی اس فطری برہان کو کمزور کرلیتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اس کے آگے جھک جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا

مستحق ہوجاتا ہے پھر وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ برائی کا مقابلہ کرسکے۔ اس فطری برہان کو قوت فراہم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اپنے نفس اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا رہے۔ اس سے آدمی کے اندر وہ حساسیت پیدا ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد کو قریب کردے گی۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں،

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ، اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ، اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (یوسف - ۵۳)

اور میں اپنے نفس کو برائی سے مبرّا بھی نہیں کہتا، نفس تو بے شک (ہر انسان کو) برے کام کا حکم دیتا ہی رہتا ہے (لہٰذا اس کی شرارت سے کوئی بچ نہیں سکتا) سوائے اس کے جس پر میرے رب کی رحمت ہوجائے۔ (میرا گناہ سے بچ جانا اسی کے رحم و کرم کا مرہون منت ہے) بے شک میرا رب بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ہر انسان برائی کو برائی سمجھتا ہے لیکن اس میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ اس برائی کا مقابلہ کرسکے مگر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور اس کی رحمت اور مدد سے۔ پھر جو انسان برائی کو برائی نہیں سمجھتا تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کی انسانی فطرت مسخ ہوچکی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اسی لئے وہ گمراہی میں اتنا دور نکل چکا ہے کہ اب اس کے واپس لوٹنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے لئے ایسے حالات پیدا کردیتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوجاتا ہے۔

الغرض، قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے اللہ کے داعی کے ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم ان پر غور کریں اور اپنا ذہن بنائیں

داعی کے اجتماعی اوصاف

اللہ کے داعی کے اندر تین قسم کے اوصاف ہونے چاہیئے۔

(۱) ایمان، تقویٰ، علم اور عمل یعنی انفرادی یا ذاتی اوصاف۔ (۲) باہمی تعلقات یعنی اجتماعی اوصاف۔ (۳) تبلیغ کی حکمت یعنی تبلیغ کا طریقہ اور اس کے آداب۔

پہلی قسم کے اوصاف وہ ہیں جو اللہ کے داعی کو انفرادی یا ذاتی طور پر نیک بناتے ہیں۔

دوسری قسم کے اوصاف وہ ہیں جو اسے اس قابل بناتے ہیں کہ وہ اپنے اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر چل سکے اور ان کے خیالات پر اثر انداز ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ذاتی طور پر نیک ہو، وہ لازماً اجتماعی اوصاف میں بھی ویسا ہی ثابت ہو۔ مثلاً ایک شخص بڑا دیانتدار اور امین ہے مگر ساتھ ہی وہ انتہائی غصیلا بھی ہے اور ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دل میلا کر لیتا ہے۔ دوسرا شخص انتہائی سچا ہے مگر زبان کا کڑوا اور سخت مزاج ہے اور سچ بولنے میں بھی ایسا انداز اختیار کرتا ہے جو دوسروں کو برا معلوم ہو۔ تیسرا شخص سنّتوں پر سختی سے کاربند ہے مگر اس میں دوسروں کی زیادتیوں کو سہہ کر معاف کر دینے کی صلاحیت نہیں۔ چوتھا شخص دین سے قلبی محبت رکھتا ہے مگر دین کی راہ میں کی جانے والی کوششوں کے نتائج کا صبر سے انتظار نہیں کر سکتا اور بہت جلد اس کا دل تنگ ہونے لگتا ہے۔ پانچواں شخص بڑا متّقی اور پرہیزگار ہے مگر دعوت دین کی راہ میں بے شمار ذہنی، جسمانی اور مالی آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے سہہ کر ثابت قدم رہنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ چھٹا شخص وہ ہے جو دین کا کام تو کرتا ہے مگر معروف کاموں میں بھی امیر کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ اپنے طور پر فیصلے کرتا ہے اور اسی پر چلتا ہے۔

ایسے اشخاص اپنی ساری نیکیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے اچھے داعی نہیں بن سکتے، کیوں کہ دعوت دین ایک اجتماعی فرض ہے جس میں باہمی تعلقات کو گہرا رکھنا پڑتا ہے، دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جل کر چلنے کی صلاحیت ضروری ہوتی ہے، لہٰذا ایک اچھا داعی بننے کے لئے ذاتی طور پر نیک ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اجتماعی اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک اچھے داعی میں کون کون سے اجتماعی اوصاف ہونے چاہئیں؟

اخلاص مندی

یہ اللہ کے داعی کی سب سے بڑی صفت ہے۔ اس کی ساری تگ و دو صرف اسی لئے ہونی چاہیئے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو جائے اور اس کا دین سربلند ہو۔ اس لئے نہیں کہ اس راہ میں وہ کوئی اہمیت یا جاہ و منصب حاصل کرے یا اہل دنیا کی تعریف کا حق دار ٹھہرے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑے خسارے کا سودا ہے۔ ایسا شخص اس راہ میں اپنی جان، مال، عزت، شہرت، منصب، راحت، آرام وغیرہ کی قربانی نہیں دے سکتا۔ ظاہر ہے، پھر تو وہ اوپر ہی اوپر سے مبلغ ہوگا اور اندر سے کھوکلا ہوگا۔ ایسا شخص اپنے کاروبار اور وقت کی قربانی نہیں دے سکتا۔

ایک شخص کسی دینی موضوع پر تقریر کر رہا ہے لیکن اس کے دل میں یہ تمنا بھی مچل رہی

ہے کہ لوگ اس کی فصاحت و بلاغت پر سر دُھنیں، تو اس کا مطلب واضح طور پر یہی ہوگا کہ اس کے اندر لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنے کی خواہش میں پورا خلوص موجود نہیں ہے۔ اسی طرح تحریر کا معاملہ ہے۔ اس سے دل میں غرور پیدا ہوجانے کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے، پھر وہ اللہ کا داعی کہاں رہے گا؟ ایسے لوگوں کی اشد خواہش یہی رہتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو تقریر کرنے کا موقعہ نہ ملے یا صرف انہیں کی کتابیں چھپتی رہیں تاکہ ان کا طرّہ بلند ہو۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنے سے زیادہ قابل کو اپنا مدمقابل سمجھ لیتے ہیں۔ ان کو آگے بڑھنے کا موقعہ نہیں دیتے بلکہ اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے ہیں، اس کی اصلاح کرنے کے بجائے اس کے خلاف نئے نئے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں۔ پھر ایسا شخص اللہ کا داعی کہاں رہا؟ اللہ کا داعی تو وہ ہوتا ہے جس کو اپنے اعمال اتنے معمولی معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرتا کہ اسے کوئی اہمیت دی جائے۔ اس کا عام میلان خاکساری اور انکساری کی طرف ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو قابل نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥ (القصص - ۸۳)	(اے رسولؐ) آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے (مخصوص) کردیں گے جو زمین میں نہ تو تکبر کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ فساد کے خواہاں رہتے ہیں اور (اچھا) انجام تو متقیوں کے لئے ہی ہے۔

جنت میں بسنے کے قابل تو وہی لوگ ہیں جن کے سینے اپنی بڑائی کے احساس سے خالی ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو اس طرح پائیں کہ اپنی طرف انہیں عاجزی اور انکساری کے علاوہ کچھ نظر نہ ہی آئے۔ فساد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے دین سے موافقت نہ کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف چلنے لگے۔ جو لوگ کبر سے خالی ہوجاتے ہیں، وہ یقیناً فساد سے خالی ہوجاتے ہیں۔

اگر اللہ کا داعی دین کی تھوڑی سی خدمت کرکے یہ توقع رکھے کہ اب اس کا احترام کیا جائے یا اس کی دینی خدمات کو سراہا جائے یا اسے کوئی منصب عطا کیا جائے یا اس کے احکام کو بے چوں و چرا مانا جائے یا اسے نکتہ چینی سے بالاتر سمجھا جائے، تو گویا اس نے اپنی خدمات کا صلہ انسانوں سے طلب کرلیا، حالانکہ انسان کسی صورت میں بھی اس کا اجر نہیں دے سکتے اور نہ اس کا ان پر کوئی حق نکلتا ہے۔ اللہ کا داعی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اپنا دعویٰ طلب کرسکتا ہے۔ اس کا اجر تو قادر مطلق ہی دے سکتا ہے۔ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ، اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ○ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(هود ـ ۵۰ ، ۵۱)

اے میری قوم ! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں (اور یہ جو تم نے دوسروں کو الٰہ بنا رکھا ہے، یہ تمہاری افتراء پردازی ہے!) تم واقعی (بڑے) افتراء پرداز ہو۔ اے میری قوم ! میں تم سے اس نصیحت کی کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا۔ میری اُجرت تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ؟

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (الطور ـ ۴۰)

(اے رسول !) کیا آپ ان سے اُجرت طلب کرتے ہیں، جس کی ذمہ داری سے یہ بوجھل ہورہے ہوں ؟

ان آیات سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اللہ کا داعی آخری حد تک پُر خلوص ہوتا ہے، اگر وہ اپنی قوم سے تبلیغ کا معاوضہ طلب کرے گا تو اپنی قوم کے احسان تلے دب جائے گا اور ان کے عقائد واعمال پر کھل کر تنقید نہ کرسکے گویا تبلیغ کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

دوسری یہ کہ اللہ کا داعی صرف مثبت طور پر تبلیغ نہیں کرتا بلکہ اپنی قوم کے عقائد و اعمال پر کھلی تنقید بھی کرتا ہے کیوں کہ جب تک مدلل، تنقید اور تجزیہ کے ذریعہ ان کے باطل کا باطل ہونا ثابت نہ کردے، اس وقت تک حق کا حق ہونا لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

اللہ کے داعی کے خلوص و صداقت کو جانچنے کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ اپنے مشن میں پوری طرح سنجیدہ ہو، اس کی بات آخری حد تک مدلّل ہو اور ہر قسم کی دنیوی غرض سے بالاتر ہو۔ بھلا جس کے اندر کسی بھی قسم کا معاوضہ یا اپنی تقریر و تحریر کی تعریف کی طلب ہو تو کیا وہ اللہ کا داعی ہوسکتا ہے ؟

اکثر لوگ حق کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ اس کو ماننا نہیں چاہتے کیوں کے حق کو ماننا اکثر حالات میں اپنے کو چھوٹا کرنے کے ہم معنی ہوتا ہے، اس لئے یہ بہت بڑا مشکل کام ہے۔ لوگ گوارا کرلیتے ہیں کہ حق چھوٹا ہوجائے مگر وہ اپنے آپ کو چھوٹا کرنے پر راضی نہیں ہوتے، لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ جو دنیا میں اپنے آپ کو چھوٹا کرلے، وہ آخرت میں بلند کیا جائے گا اور جو لوگ اپنے آپ کو دنیا میں چھوٹا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، وہ آخرت میں ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہوکر رہ جائیں گے۔ اسی لئے اللہ کے داعی کو اپنے آپ کو چھوٹا رکھنا ضروری ہے ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ وہ

حقیقت کے روپ میں ظاہر ہونے والے حق کا انکار کر دے۔

جنت جیسی جگہ ایمان و اعمال کا بدلہ نہیں ہے بلکہ اخلاص کا اجر ہے۔ اللہ کے داعی کے لئے تو فقط اتنا ہی سکون کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس قابل سمجھا کہ اس سے اپنے دین کی خدمت لے رہا ہے۔

خلوص دل سے کی جانے والی تھوڑی سی خدمت بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت بڑی ہوتی ہے۔ تبلیغِ دین اگر پورے خلوص سے ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کرم سے اس میں ضرور اثر پیدا کر دے گا۔

بڑے بڑے پر خلوص انسانوں کے دلوں کے اندر بھی یہ خواہش ضرور چھپی رہتی ہے کہ ہمارے اچھے اعمال کو کوئی دیکھے اور ان کی تعریف کرے۔ آخر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی تو ہو سکتی ہے۔ اگر وہ خود داعی کے عمل کو تعریف کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے تو پھر اس کی تعریف سے بڑھ کر اور کس کی تعریف ہو سکتی ہے؟ اور اللہ کا داعی تو اللہ کا داعی ہوتا ہے، اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کے پر خلوص عمل کی تعریف کرے گا اور وہ اس کے لئے باعث سکون اور کافی ہوتا ہے۔ حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان - ۱۶)

اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا اور وہ پتھر کے اندر (پوشیدہ) ہوگا یا آسمانوں در زمین میں (کسی بھی جگہ مخفی ہوگا تو) اللہ اسے (قیامت کے دن ضرور نکال کر) لے آئے گا۔ بے شک اللہ (بہت) باریک بین اور (بڑا) باخبر ہے (کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا)

دعوتِ دین کے لئے تگ و دو کرتے ہوئے آخر یہ کیوں تصور نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ خود نفسِ نفیس اسے دیکھ رہا ہے اور پسند و تعریف کر رہا ہے اور اگر ہم نے کسی انسان کی تعریف کو مقصود بنالیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی ختم ہوجائے گی گویا عمل بے عمل ہوجائے گا اور تبلیغ کا مقصد فوت ہوجائے گا۔ اس طرح اس کے عمل تخلسلہ نہیں رہیں گے اور اجتماعی زندگی نفسیاتی الجھنوں اور بے چینی سے دوچار ہوجائے گی۔ اللہ کے داعی میں اگر یہ خصلت پیدا ہوجائے تو یہ دعوتی جدوجہد میں انتہائی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اپنی اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے باہمی کشمکش شروع ہوجاتی ہے۔ پھر اللہ کا داعی، داعی تو رہتا نہیں، پھر وہ دوسروں کو گرا کر ہی اپنی اہمیت کو

ثابت کرنے لگ جاتا ہے۔

الغرض، تبلیغ میں رضائے الٰہی اخلاص کا پھل ہے۔

نظم و ضبط

کوئی ڈھانچہ چاہے کتنا ہی اعلیٰ پائے کا کیوں نہ ہو، اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے اس کے اندر روح کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ وہ ڈھانچہ بے جان رہے گا تو وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ ایسا ڈھانچہ تغافل کا شکار ہوتے ہی لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

اسلامی نظام ایک بڑا ہی ترقی یافتہ اور نہایت اعلیٰ درجہ کا نظام ہے اور انسانی فطرت سے اتنی ہی مطابقت رکھتا ہے کہ کوئی اور نظام اس معاملے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس نظام کے بھی پورے طور پر فائدہ مند ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس کے اندر اس کی روح جاری و ساری رہے۔ اسلامی نظام کی روح کیا ہے؟

اسلامی نظام کی روح وہ نظم و ضبط ہے جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھا۔ ایسی بے مثال وفاداری پیدا کردی گئی تھی کہ جب جماعت المسلمین کے امام نے فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص سے کوئی بات نہ کرے اور نہ ان سے کسی قسم کا کوئی لین دین کرے، تو اس جماعت میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ نکلا جو چوری چھپے بھی اس حکم کی خلاف ورزی کا کوئی تصور کر سکتا اور جب ان تین اشخاص کو ان کی سستی کی سزا دینے کے لئے ان کا بائیکاٹ کیا گیا تو انہوں نے پورے پچاس دن انتہائی شدید ذہنی و قلبی اذیت میں گزار دیئے، مگر نہ تو ان کے منہ سے کوئی حرفِ شکایت نکلا اور نہ یہ خیال ان کے ذہن کے اندرونی گوشے میں بھی آسکا کہ وہ اس سخت گیر جماعت سے علیحدگی اختیار کرلیں بلکہ جب ایک مخالفِ اسلام ہستی نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ان تینوں میں سے ایک کو امداد اور عزت افزائی کی پیش کش کی تو اس نے اس پیش کش کو بھی اپنی آزمائش سمجھا اور بلاتامل اسے چولہے میں جھونک دیا۔ (سورۃ توبہ ـ ۱۱۸)

اس سارے نظم و ضبط اور مثالی وفاداری کی تہہ میں اس کے سوا اور کیا تھا کہ ان نیک و کاروں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین خالص سے انتہائی شدید قسم کی محبت تھی اور اسی محبت نے ان کے پورے نظام ضبط و ربط کو ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم کردیا تھا کہ کوئی رخنہ انداز اس مستحکم جماعت اور معاشرہ میں رخنہ پیدا کرنے سے عاجز تھا

اسلام کی فتوحات صرف سیاسی فتوحات نہیں تھیں بلکہ مسلمین نے جن علاقوں کو فتح کیا وہاں

کے باشندوں کے دلوں کو بھی فتح کرلیا۔ ان کی سلطنت ہی نہیں پھیلی بلکہ ساتھ ساتھ ان کا دین اور ان کا نظم و ضبط بھی پھیلتا چلا گیا۔ بے شمار قوموں نے صرف میدان جنگ ہی میں ان کے آگے سر نہیں جھکائے تھے بلکہ ان کے بے مثل نظامِ زندگی اور نظم و ضبط کے آگے بھی اپنے سر جھکا دیئے تھے۔ مسلمین کے کردار میں جو دل کشی تھی اس نے ان قوموں پر حیرت انگیز اخلاقی اثر ڈالا۔

اسلامی نظام کا ڈھانچہ بھی اگرچہ بے پناہ افادیت کا حامل ہے، تاہم روح کے بغیر وہ اپنا ثمرہ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ معاملہ جب ظاہری ڈھانچہ ہی تک پہنچ گیا تو پھر قدرتی طور پر وہ نتائج نکلنے بھی بند ہوگئے جو پہلے جاندار نظام نے پیدا کئے تھے۔ اس لئے وہ پہلے کی سی بات ہی نہ رہی، یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا کہ مسلمین اپنے وطنوں کے اندر بے وطن ہوکر رہ گئے۔

اب ہم صدیوں کی تلخیاں سہنے کے بعد ازسرنو اپنے دینی و دنیوی وقار کو حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم شروع ہی سے اسلامی نظامِ زندگی اور نظم و ضبط پر کاربند ہو جائیں۔

دین کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے والوں ہی سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دوسروں کے دلوں میں ان جذبات کو پیدا کرسکیں گے۔

اللہ کے داعی کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک ہم اپنے نظام کی بنیاد نظم و ضبط پر نہ رکھیں گے، اس کی حقیقی روح اور اس کے لئے فدائیت کے وہ جذبات پیدا نہ ہوں گے جنہوں نے ہمارے اَسلاف کو اقوامِ عالم کا امام بنادیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ، ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ	اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ (تمہاری جگہ) ایسے لوگ لے آئے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، ایمان والوں پر شفیق ہوں گے اور کافروں پر سخت، وہ اللہ کے راستہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے (اپنے) فضل سے نوازتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا اور بہت جاننے والا ہے۔ (کافروں کو دوست نہ بناؤ) تمہارا دوست تو اللہ، اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (المائدۃ ۔ ۵۴ تا ۵۶)	کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (اللہ کے سامنے) عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور جو شخص اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا تو (یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں اور) اللہ کا لشکر ہی غالب رہے گا۔

ایمان لانے کے بعد جو دین کے تقاضے پورے نہ کرے، وہ گویا اللہ تعالیٰ کی نظر میں دین سے پھر گیا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سچے ایمان والے وہ لوگ ہیں، جن کے اندر ایمان اس طرح داخل ہو کہ ان کو محبت کی سطح پر اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوجائے، ان کو اسلامی مقاصد کی تکمیل اتنی عزیز ہو کہ مسلمین کے لئے ان کے دل میں نرمی اور ہمدردی کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ان کے جذبات اس درجہ اصول و نظم و ضبط کے تابع ہوجائیں کہ مسلمین کے لئے وہ پھول سے زیادہ نازک ثابت ہوں مگر غیر مسلمین کے لئے وہ پتھر سے زیادہ سخت بن جائیں، کہ کوئی رخنہ انداز کبھی ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہ کرسکے۔

اسلامی زندگی ایک بامقصد اور جدوجہد کی زندگی ہے۔ اللہ کے داعی کا مشن یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو اللہ کے تمام بندوں تک پہنچائے۔ اس کام کے فطری تقاضے کے طور پر داعی کے سامنے طرح طرح کی مشکلیں اور طرح طرح کی ملامتیں پیش آتی ہیں حتٰی کہ دو الگ الگ گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک دنیا پرستوں کا اور دوسرا آخرت کے مسافروں کا۔ داعی کا امتحان یہ ہے کہ ان سارے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر سفر کرتا رہے اور اللہ کے علاوہ کسی کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر اپنے سفر کو جاری رکھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان (چار) باتوں پر بیعت کی۔ (۱) ہم سنیں اور اطاعت کریں، خواہ (امیر کے حکم سے) ہم خوش ہوں یا ناخوش (۲) امیر سے امارت کے معاملے میں نہ جھگڑیں۔ (۳) حق بات کہیں خواہ کہیں بھی ہوں اور (۴) اللہ کے (دین کے) معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں"
(صحیح بخاری کتاب الاحکام و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

اس طرح کے لوگ کسی مقام پر جب قابل لحاظ تعداد میں جمع ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں فکری قیادت یا زمین کا غلبہ عطاء فرماتا ہے۔ ان کے باہمی تعلقات خیر خواہی پر قائم ہوتے ہیں۔ دنیا میں کوئی چیز بھی ان کو انانیت پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ وہ ہر موقع پر وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ وہ تواضع اختیار کرنے والے ہوتے ہیں، نہ کہ سرکشی کرنے والے

صحابہ کرام میں وہ تمام خصائل موجود تھے جو خصائل اللہ تعالیٰ نے اس نئی آنے والی قوم کے بتائے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ، اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ، وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (المجادلۃ ـ ۲۲)

(اے رسول!) آپ ایسی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، پھر وہ ان لوگوں سے دوستی رکھے، جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو تحریر کردیا ہے اور اپنی روح سے ان کو مدد دی ہے۔ اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہوں گے یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں (اور) خبردار ہوجاؤ، اللہ کا لشکر ہی فلاح پائے گا۔

دنیا اور آخرت کی کامیابی اللہ تعالیٰ کی جماعت کے لئے ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ ان لوگوں سے قریب ہوتے ہیں، جو فطری صداقت کو اپنائے ہوئے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ سے اتنی گہری نسبت حاصل ہو کہ اسی کی بنیاد پر ان کی دوستیاں اور دشمنیاں قائم ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی فیض پہنچنے لگے یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان سب سے بڑی حقیقت کے طور پر راسخ ہوجاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا لشکر ہیں۔

بیعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكَ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو امراء ہوں (ان کی اطاعت کرو) پھر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور

خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاوِيْلًا ○ (النسآء-۵۹) انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتوں کا حکم دیا ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت اور (۳) امیر کی اطاعت۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلی دو اطاعتوں کے ساتھ اَطِيْعُوْا کا لفظ استعمال کیا اور تیسری اطاعت کے لئے اَطِيْعُوْا کا لفظ استعمال نہیں کیا، گویا پہلی دو اطاعتیں مستقل اطاعتیں ہیں اور تیسری اطاعت مستقل نہیں۔

پہلی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ دوسری اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے یعنی جس کا حق ہے وہی حکم دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے، وہ یقیناً اللہ ہی کی (النسآء -- ۸۰) اطاعت کرتا ہے۔

یعنی احادیث میں جو احکام ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم-۳،۴) رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ جو کچھ کہتا ہے، وحی ہوتی ہے، جو اس پر نازل ہوتی ہے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی بات کہتے ہیں جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں کو حکم دیا ہے گویا رسول کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے امراء کی اطاعت کا حکم دیا لیکن ان کی اطاعت کو غیر مشروط طور پر فرض نہیں کیا۔ ان سے اختلاف کو جائز رکھا اور اختلافی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا یعنی امراء کی کوئی ایسی بات نہ مانی جائے جو قرآن مجید اور صحیح احادیث کے خلاف ہو لیکن اس کا حکم عام ہے، صرف اختلاف کی صورت میں فیصلے کے لئے قرآن مجید اور صحیح احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے امراء کی اطاعت کو فرض قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

(۱) جس نے میری اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے درحقیقت اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے درحقیقت میری ہی نافرمانی کی۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام)

(۲) سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی امیر کیوں نہ بنادیا جائے، جس کا سر

کشمش کے برابر ہو (صحیح بخاری کتاب الاحکام)

(۳) تم پر (امیر کا حکم) سننا اور (اس کی) اطاعت کرنا لازم ہے، اپنی مشکل میں بھی اور اپنی آسانی میں بھی، اپنی خوشی میں بھی اور اپنی ناخوشی میں بھی، اور ایسی صورت میں بھی کہ تم پر (دوسرے کو) ترجیح دی جائے (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "مجھے میرے خلیل (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں (امیر کا حکم) سنوں اور اس کی اطاعت کروں خواہ (وہ امیر) ہاتھ پاؤں کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "امیر کا حکم سنو اور مانو اور اگر تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں اور تمہارا مال چھین لیا جائے تو پھر بھی سنو اور اطاعت کرو" (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

الغرض، امیر ظلم و زیادتی کرے پھر بھی اس کا حکم سننا فرض ہے۔

(۶) امراء کی بات سنو اور اطاعت کرو، ان کا بار ان پر ہے اور تمہارا بار تم پر ہے (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

یعنی وہ اپنے فرائض کے متعلق پوچھے جائیں گے اور تم اپنے فرائض کے متعلق پوچھے جاؤ گے

(۷) جس شخص کو امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے تو اسے صبر کرنا چاہیئے کیوں کہ جو شخص بالشت بھر بھی امیر (کی اطاعت) سے باہر نکلا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

(۸) امراء کا حق ان کو دو، اس لئے کہ جو ذمہ داری ان کو سونپی گئی ہے، اس کے متعلق اللہ خود ان سے باز پرس کرے گا۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

(۹) جس نے (امیر کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو قیامت کے دن، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت میں مرگیا کہ اس کی گردن میں (اطاعت کی) بیعت نہیں تھی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

(۱۰) جماعت کو لازم پکڑو اور افتراق سے بچو، اس لئے کہ شیطان ایک (آدمی) کے ساتھ ہوتا ہے اور دو (متفق) آدمیوں سے دور رہتا ہے اور جو شخص جنت کے وسط کا خواہشمند ہے، اسے چاہیئے کہ جماعت کو لازم پکڑے (رواہ الترمذی و صححہ، فی ابواب الفتن)

(۱۱) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، ان پانچ چیزوں کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے (امیر کا حکم)

سننا، (اس کی) اطاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا اور جماعت (سے چمٹے رہنا) کیوں کہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے علیحدہ ہوا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا مگر یہ کہ وہ واپس لوٹے (رواہ الترمذی و صحہ، فی ابواب الامثال)

(۱۲) تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مؤمن کا دل خیانت نہیں کرتا، (۱) عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا، (۲) امراء کی اطاعت کرنا اور (۳) جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا (رواہ الحاکم وسندہ صحیح)

(۱۳) جماعت المسلمین اور اس کے امام سے چمٹے رہنا (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

الغرض، امیر کی اطاعت کی بہت تاکید کی گئی ہے اور امیر کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔

(۱۴) حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں۔ "ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، ہم نے آپ سے بیعت کی تو آپ نے ہم سے جن باتوں کی بیعت لی، ان میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ ہم (امیر کا حکم) سنیں اور (اس کی) اطاعت کریں، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی اور اس حالت میں بھی کہ (دوسروں کو) ہم پر ترجیح دی جائے اور یہ کہ امیر سے امارت کے سلسلے میں جھگڑا نہ کریں سوائے اس صورت کے کہ تم اس کو ایسا کفر صریح کرتے دیکھو جس کو کفر قرار دینے کے لئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی واضح دلیل موجود ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

(۱۵) حضرت جریرؓ فرماتے ہیں۔ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی تو آپ نے مجھے سکھایا (کہ اس طرح کہو)، جہاں تک مجھ سے ہوسکے گا (سنوں گا اور اطاعت کروں گا مگر اطاعت میں خیانت نہیں کروں گا) (صحیح بخاری کتاب الاحکام)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ کے داعی کو جماعت المسلمین کے امیر کی بیعت کرنی چاہیئے ورنہ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

کردار کے غازی

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ سنت کی حفاظت کرنا آپ کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ جس کے اندر سنت کی حفاظت کا شوق پیدا ہوجائے، وہ اس کے فطری نتیجہ کے طور پر ضرور اللہ کا داعی بنے گا اور مخلوق کو اللہ کے دین سے متعارف کرائے گا۔

مختلف ادیان پر ایمان لانے والوں کی اکثریت ایک دوسرے کے دین کی مقدس کتابیں کھول کر نہیں پڑھتیں اور نہ انہیں ان کے مطالعہ کی ضرورت پیش آتی ہے، بلکہ ان ادیان پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے کردار کو دیکھتی ہیں۔ اگر وہ کردار ناپسندیدہ ہوں تو پھر ان کے دلوں میں ان ادیان کی طرف میلان پیدا ہونے کا بہت کم امکان ہوتا ہے، چاہے ان ادیان کے بے کردار مبلغین انہیں اپنے دین کی طرف لانے کے لئے کتنی ہی تبلیغ کیوں نہ کریں۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اسلام کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہم کو پہلے خود اپنی زندگیوں کو اس عالی وقار نبی کی سنت کے مطابق ڈھالنا ہوگا ورنہ ہماری تبلیغ بالکل بے اثر رہے گی۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف - ۲، ۳)

اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرو نہیں۔

<u>اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں انسان کے سوا کہیں کوئی تضاد نہیں</u>، انسان کو بھی اس کائنات سے مطابقت کرنی چاہیئے۔ انسان کے کہنے اور کرنے میں مطابقت ہونی چاہیئے، حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ اس کو اپنے کہنے اور کرنے کی یہ قیمت دینی پڑے کہ ہر قسم کی دشواریوں کے باوجود وہ صبر کا پہاڑ بن جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آنے تک بنی اسرائیل کا یہ حال ہوچکا تھا کہ وہ لوگوں کو تو نیکی کی تلقین کرتے تھے مگر اپنی سیرت و کردار کا خیال نہیں کرتے تھے انہیں ملامت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(البقرہ - ۴۴)

اے بنی اسرائیل! کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ (باوجود اس کے کہ) تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو (تم خود اس پر عمل نہیں کرتے) کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے؟ (یہ تو بہت بُری بات ہے کہ تم دوسروں کو نیکی کا حکم دو اور خود اس پر عمل نہ کرو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "قسم اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کا حکم دوں، پھر اس کے لئے

اذان دی جائے، پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں ان مَردوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے، پھر ان کے مع ان کے گھروں کو جلادوں" (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں۔ ایک نابینا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا۔ "اے اللہ کے رسول! مجھے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں" پھر اس نے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، پھر جب اس نے اپنی پیٹھ پھیری تو آپ نے اسے بلایا اور پوچھا۔ "کیا تمہیں اذان کی آواز آتی ہے؟" اس نے کہا۔ "ہاں!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تو پھر جماعت کے لئے آؤ" (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مجھ سے پہلے جو نبی بھی اللہ نے کسی اُمّت میں مبعوث فرمایا، اس میں اس کے مددگار اور اصحاب ہوا کرتے تھے جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے تھے جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر عمل نہیں کرتے تھے اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کے کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان ناخلف لوگوں کی دو خصلتیں تھیں۔ ایک یہ کہ ان کے قول و عمل میں تضاد تھا جیسا کہ آج کل اکثر لوگ اہل حدیث یا اہل سنت ہونے پر فخر کرتے ہیں لیکن حدیث یا سنت پر عمل نہیں کرتے۔ دوسری یہ کہ وہ ایسے عمل کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حدیث میں آگے فرماتے ہیں۔ "جو شخص ایسے لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کرے، وہ مؤمن ہے، جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو قلب سے جہاد کرے، وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔" (صحیح مسلم کتاب الایمان)

یہ حدیث اپنے معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی برائی کو دل سے بھی بُرا نہ سمجھے تو وہ بے ایمان ہے۔ اس حدیث کے مطابق اللہ کے داعی کو پہلے درجہ پر ہونا چاہیئے ورنہ دوسرے درجہ پر اور اس کے۔ لئے سنت کی پیروی شرط ہے اور دل سے برا سمجھنے کے لئے بھی، ورنہ وہ اللہ کا داعی نہیں رہے گا۔

آج کل کے مبلغین ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو شرک و بدعت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے فرقہ وارانہ ریوڑ میں اضافہ کرتے ہیں۔ بدعت کو سنت کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے سیرت و کردار سے کوئی متاثر نہیں ہوتا مگر انہیں جیسے لوگ۔

الغرض، صحابہ کرام کے زمانہ میں جن لوگوں نے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کو اختیار کیا تھا وہ سب تبلیغ سے متاثر ہوکر مسلم نہیں ہوئے تھے، بلکہ ان میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جنہیں مسلمین کے سیرت و کردار نے متاثر کیا تھا۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکینِ مکّہ سے ایک صلح و امن کا معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدہ کے دوران مسلمین اور مشرکین ایک دوسرے کے علاقوں میں آتے جاتے رہے۔ اس میں مشرکین کو مسلمین کی زندگیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تزکرہ آتا رہتا تھا۔ اس دوران مشرکین مسلمین کے اخلاص، حسن عمل، نیک و کاری اور پاکیزہ اخلاق سے متاثر ہوتے رہتے۔ اس سے خود بخود مشرکین کے دل مسلمین کی طرف مائل ہونے لگتے۔ اس معاہدۂ صلح سے فتح مکہ کے دو سال کے دوران اس قدر لوگ ایمان لائے کہ اس سے پہلے نہیں لائے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت سے تمام مسلمین کو اسلام کا عملی نمونہ بنادیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتیں، لوگوں کے دلوں میں ان کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا، کیوں کہ انہیں ان سے اپنی جان و مال کا کوئی خوف نہیں تھا۔ مسلمین کی فوجیں کفّار کے جس ملک میں داخل ہوتیں، اس سے پہلے ہی وہاں ان کی شہرت پہنچ جاتی۔ اس لئے ان کو دیکھنے کا ان کے دلوں میں شوق پیدا ہوجاتا تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو مسلمین کی صلح رحمی، محبت، اخلاق اور سیرت و کردار سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ یہ چیزیں لوگوں کے دلوں کو خود بخود ان کی طرف کھینچتی تھیں اور وہ اسلام کی طرف فوراً مائل ہوجاتے تھے۔ وہ اسلام سے بالکل ناواقف ہوتے تھے مگر مسلمین کے سیرت و کردار اور عمل کے ذریعہ وہ اسلام سے متعارف ہورہے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ مسلمین کے حالات سن کر ہی اسلام کے گرویدہ ہوجایا کرتے تھے۔ اس طرح بڑے بڑے رئیس اپنے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مسلم ہوجایا کرتے تھے۔

یہ تھے اللہ کے داعی اور کردار کے غازی، ان کے بعد جس تناسب سے مسلمین کا کردار کمزور ہوتا چلاگیا۔ اسی تناسب سے غیر مسلموں کے دلوں سے ان کا رعب اور احترام کم ہوتا چلاگیا اور اسی تناسب سے ان کے اسلام کی طرف آنے کی راہیں بھی مسدود ہوتی چلی گئیں۔

طوفانی امتحان

حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ٥ (لقمٰن ـ ۱۷)	اے میرے بیٹے ! نماز کو قائم رکھنا نیک بات کا حکم کرتے رہنا برائی سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ کو پہنچے، اس پر صبر کرتے رہنا بیشک یہ (بڑی) ہمت کا کام ہے۔

دین پر خود عمل کرنا یا مخلوق کو دین کی طرف بلانا، دونوں ہی صبر چاہتے ہیں۔ ان کے لئے پہلے سوچنا پڑتا ہے، نفس کی خواہش پر چلنے کے بجائے اس کے خلاف چلنا پڑتا ہے، اپنی بڑائی کو محفوظ کرنے کے بجائے اس کو کھو دینا پڑتا ہے، دوسروں کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں کو یکطرفہ طور پر برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ سب حوصلہ مندی کے کام ہیں اور حوصلہ مند کردار ہی کا دوسرا نام اسلامی کردار ہے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ کے داعی کا کردار ادا کرے گا اس کی راہ میں تکلیفیں ضرور آئیں گی، چنانچہ اس کو صبر اور حوصلے سے کام لینا ہوگا، کیوں کہ تبلیغ کی راہ وہ راہ ہے، جس میں قدم قدم پر کانٹوں سے الجھنا پڑتا ہے اور مالی، جسمانی اور ذہنی قسم کی اذیتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے اس راہ میں اگر داعی کے اندر صبرواستقامت کا مادہ نہیں ہوگا تو وہ اس راہ پر زیادہ دور تک نہیں چل سکے گا۔

تبلیغ کی ضرورت ہی اس معاشرے میں پڑتی ہے، جہاں ہر قسم کا بگاڑ عام ہوچکا ہو، پھر یہ ناگزیر ہے کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ تم میں یہ اور یہ برائیاں ہیں۔ عام لوگ مبلغین کو اپنا نکتہ چین سمجھ کر ان سے آنکھ بچاکر نکل جاتے ہیں اور کبھی ان کی نیت پر حملہ کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ ان کی خیر خواہی کے جواب میں جی بھر کر ان کے ساتھ بد خواہی کرتے ہیں۔

اب اگر مبلغین میں صبر استقامت کا مادہ نہیں ہوگا تو وہ ان اذیتوں کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکیں گے بلکہ ہمت ہار جائیں گے۔

ایک اصلاحی مہم کا کامیاب ہونا وقت طلب اور بڑا لمبا کام ہوتا ہے۔ اس میں بسا اوقات ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو دل میں نا امیدی پیدا کردیتے ہیں۔ اگر داعی ان نازک حالات میں صبر، حوصلے اور عزم سے کام نہ لے تو اس پر نا امیدی غالب آجائے گی، پھر اس کے بعد دوسرا مرحلہ

یہی ہوگا کہ اس کے دل سے اپنے مقصد کی لگن ہی ختم ہونا شروع ہوجائے گی، لہٰذا داعی کو صرف لوگوں کی اذیت رسانیوں ہی کے خلاف صبر و تحمل سے کام لینا نہیں ہوتا بلکہ خود اپنے نفس اور شیطان کے وسوسوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی صبر و استقامت کی بے انتہا ضرورت ہوتی ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے لوگوں سے بھی بعض حوصلہ شکن باتیں سننا پڑتی ہیں بلکہ بعض سنگین قسم کی رکاوٹیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں، ایسے مواقع پر صبر و استقامت سے کام نہ لیا جائے تو جماعت میں فساد برپا کرنے کا الزام عائد ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔

الغرض، خارجی مخالفین ہوں یا داخلی، دونوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر صبر و استقامت نہیں ہوگا تو وہ کسی محاذ پر بھی فتح حاصل نہیں کرسکے گا۔ دعوت دین کی راہ میں ہر قسم کی تکلیف اور آزمائش شرط ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

(البقرۃ - ۱۵۵ - ۱۵۷)

(اے ایمان والو!) ہم ضرور کسی قدر خوف اور بھوک سے اور کسی قدر مال، جان اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے اور (اے رسول!) آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے، (یعنی) ان لوگوں کو جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس طرح کہتے ہیں۔ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔" یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے فضل و رحمت (کی بارش ہوتی) ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یاب ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ آزمائش اللہ کے داعی کے لئے ہی شرط نہیں بلکہ اس کے ایمان و ہدایت کے لئے بھی شرط ہے یعنی اسلام قبول کرلینے کے بعد اس پر عمل شروع کرتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد ہی ایمان و ہدایت نصیب ہوگی۔ مثلاً چند دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم ایمان لے آئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا، قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ، وَاِنْ تُطِيْعُوا

دیہاتی کہتے ہیں، "ہم ایمان لے آئے" (اے رسول! آپ ان سے کہہ دیجئے)، تم (ابھی) ایمان نہیں لائے (لہٰذا یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لے آئے) بلکہ یہ کہو کہ ہم

اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
(الحجرات - ۱۴)

نے اسلام قبول کیا (اس لئے کہ) ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا (ہاں) اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر) میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ (بڑا) بخشنے والا اور (بہت) رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایمان و ہدایت اسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مؤمن کی تعریف بیان فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝
(الحجرات - ۱۵)

مؤمن تو وہ لوگ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے (یعنی ان کی اطاعت کی) پھر انہوں نے (اطاعت کرنے میں) کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد (و جدوجہد) کی تو یہی لوگ (اپنے ایمان کے دعوے میں) سچے ہیں۔

اس سے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ ان دیہاتیوں سے پھر فرماتا ہے:۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ، وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ، بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝
(الحجرات - ۱۷، ۱۸)

(اے رسول!) ان (دیہاتی) لوگوں سے پوچھئے، "کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتاتے ہو؟ (کیا اللہ کو تمہاری دینداری کا علم نہیں؟) اللہ کو تو ان تمام چیزوں کا علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے" (اے رسول!) (کیا) یہ لوگ آپ پر (اس بات کا) احسان رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا؟ آپ (ان دیہاتیوں سے) کہہ دیجئے، اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کا (یا ہدایت کی طرف گامزن ہونے کا) راستہ بتایا بشرطیکہ تم (اپنے دعوے ایمان میں) سچے (ثابت) ہو جاؤ۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ ایمان و ہدایت کے لئے بھی آزمائش شرط ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے حسب استطاعت اپنے مال اور اپنی جان سے جدوجہد کرنا بھی فرض ہے، ظاہر ہے پھر آزمائش سے دوچار ہونا ہی پڑے گا اور اس کے لئے صبر و استقامت اختیار کرنا ہی پڑے گا۔
صحابۂ کرام ان تمام قسم کی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب ـ ۱۰)

(اور یاد کرو، وہ وقت) جب کفار کی فوجیں (جنگِ اُحد میں) اوپر کی طرف سے بھی اور نشیب کی طرف سے بھی (تم پر) حملہ آور ہوگئیں اور (تمہارے) دل (خوف کی وجہ سے) گلوں تک پہنچ گئے۔

جنگِ خندق کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، "جب خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا (صحیح بخاری کتاب المغازی و صحیح مسلم کتاب الاشربۃ)

جنگِ تبوک ایسے موقعہ پر ہوئی کہ پھل پک رہے تھے اور درختوں پر بہار آرہی تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

الغرض، صحابۂ کرام ہر طرح آزمائے گئے اور آزمائش میں صبرواستقامت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا نہ کیا کرو، بلکہ اللہ سے عافیت طلب کیا کرو، پھر اگر دشمن سے مقابلہ ہو ہی جائے تو ثابت قدم رہو اور اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد)

موجودہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے انعام کے لئے نہیں بلکہ امتحان کے لئے بنایا ہے۔ یہاں ہونے والے واقعات کے ساتھ ایسے حالات رکھے گئے ہیں کہ اللہ کے داعی کے راستہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی تاکہ معلوم ہو کہ کون اپنے اظہار دین میں سنجیدہ ہے۔ نفس کے محرکات، بیوی بچوں کے تقاضے، دنیا کی مصلحتیں، شیطان کے وسوسے، سماجی حالات کا دباؤ یہ چیزیں فتنہ کی صورت میں اللہ کے داعی کو گھیرے رہتی ہیں۔ ان امتحانی مشکلات کے مقابلہ میں کامیابی کا واحد ذریعہ نماز اور صبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے گڑگڑانا اور ہر قسم کی ناخوش گواریوں کو برداشت کرنے کے لئے اس سے مدد طلب کرنا۔

تبلیغ اور دعوت کا کام نصیحت اور تنقید کا کام ہے اور یہ چیزیں ہمیشہ عوام کے لئے باعث کراہت رہی ہیں۔ ان میں بھی نصیحت اور تنقید کے معاملے میں سب سے زیادہ حساس وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے دنیا کے کاروبار کو دین کے نام پر کر رہے ہوں۔ اللہ کے داعی اور اس کے پیغام میں ایسے تمام لوگوں کو اپنی حیثیت کی نفی نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ کے داعی کا وجود ایک ایسی ترازو بن جاتا ہے گویا ہر شخص اور ہر طبقہ اس میں تل رہا ہو، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کا داعی بھڑ کے چھتّہ میں ہاتھ ڈالنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ اللہ کا داعی اپنے ماحول کے اندر بے جگہ ہوکر رہ جاتا ہے، اس کی معیشت برباد ہوجاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی جان بھی خطرہ میں پڑجاتی ہے مگر راہ پر صرف اللہ کا داعی ہوتا ہے جس کو دنیوی لحاظ سے بے راہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ، وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا، وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝ (اٰل عمران - ۱۸۶)	(اے ایمان والو!) تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں (کے نقصان) سے تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تمہیں ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان لوگوں سے جو شرک کر رہے ہیں، بہت سی دل آزار باتیں سننی ہوں گی، پھر اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو یہ بڑے عزم اور ہمت کے کام ہیں۔

اس آزمائش کی غرض و غایت کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (اٰل عمران - ۱۵۴)	اللہ تمہارے دلوں میں جو کچھ تھا اس کی آزمائش کرے اور پھر دلوں کے خیالات کی تخلیص کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعہ ہمارے خیالات کی تصحیح بھی کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ پر ارشاد فرماتا ہے،

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (اٰل عمران - ۱۷۹)	اے ایمان والو! جس حالت میں اس وقت تم ہو، اس حالت میں اللہ مؤمنین کو نہیں چھوڑے گا، جب تک وہ ناپاک اور پاک لوگوں میں امتیاز پیدا نہ کردے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعہ ایمان والوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کردیتا ہے۔ اس طرح فطری طور پر دو گروہ بن جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○
(آل عمران – ۱۴۲)

(اے ایمان والو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے نہ تم میں سے جہاد کرنے والوں کو ممیز کیا ہے اور نہ ثابت قدم رہنے والوں کو۔

اس آزمائش کے ذریعہ ایمان والوں کے پھر دو گروہ بن جاتے ہیں، ایک مؤمنین کا گروہ جو جان و مال سے جدوجہد کرتے ہیں اور ہر مصیبت پر صبرواستقامت اختیار کرتے ہیں اور دوسرا منافقین کا گروہ جو جان و مال کی قربانی سے کتراتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے جان و مال محفوظ رہتے ہیں اور ان کو صبرو استقامت کے مرحلے سے گزرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ ان کا ایمان آزمائش میں ناکامی کی وجہ سے رد کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
(البقرة – ۲۱۲)

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی کو مزیّن کر دیا گیا ہے۔ وہ جب ایمان والوں کو (دنیوی لحاظ سے) خوشحال نہیں دیکھتے تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو آزمائش کے ذریعہ مالی تنگ دستی اور نقصانات سے دوچار کیا جاتا ہے تاکہ ان کے توکل اور تواضع اور انکساری میں اضافہ کیا جائے، نیز ان کے صبر واستقامت میں بھی اضافہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا، اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○
(الانعام – ۵۳)

ہم ان میں سے بعض لوگوں کی بعض لوگوں کے ذریعہ آزمائش کرتے ہیں (یعنی غریبوں کے ذریعہ مالداروں کی آزمائش کرتے ہیں) تاکہ (مالدار غریبوں کے متعلق اس طرح کہیں) ، کیا یہی وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے ہم لوگوں میں سے (چن کر ان پر) احسان کیا ہے؟ (یہ مالدار لوگ تو ہمارے شکر گزار بندوں سے واقف ہی نہیں ہیں اس لئے اس قسم کی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں تو) کیا اللہ (بھی اپنے) شکر گزار بندوں سے واقف نہیں؟

ایمان والوں میں بھی بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے تاکہ ان کی کوتاہیوں کو درست کیا

جائے اور جن کے دل ٹیڑھے ہوجائیں ان کو اصلاح کا موقعہ دیا جائے نیز غریبوں کے ذریعہ مالداروں کی آزمائش بھی کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی شکر گزاری کرتے ہیں اور ان کی عاجزی و انکساری کو بھی آزمایا جاتا ہے۔ جب عاجزی اور انکساری کم ہوتی ہے تو فوراً تکبر کا مادہ ابھرنا شروع ہوجاتا ہے پھر لازماً ان کے دل ٹیڑھے ہوجاتے ہیں اور ان کی ہدایت و توفیق کو سلب کرلیا جاتا ہے۔ ملک میں ایسے سینکڑوں مالدار لوگ ہیں جن کی ہدایت اور توفیق کو اللہ تعالیٰ نے سلب کرلیا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ آزمائش کو آشکارا کیا ہے۔ الغرض، آزمائش اور صبرواستقامت کے بغیر جنت حاصل کرنا ممکن نہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

اللہ کے داعی کو ایمان اور عمل کا سفر ایک ایسی دنیا میں طے کرنا ہوتا ہے، جہاں اپنوں اور غیروں کی طرف سے طرح طرح کے زخم لگتے ہیں مگر وہ رد عمل کی نفسیات میں مبتلا نہیں ہوتا۔ لوگوں کی طرف سے اشتعال دلانے والے واقعات پیش آتے ہیں مگر وہ پابند ہوتا ہے کہ ہر قسم کے جھٹکوں کو سہتا ہوا چلا جائے، بار بار ایسے مواقع آتے ہیں، جب کہ دل کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ کر جواب دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر وہ اپنی زبان کو روک لیتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنے آپ کو تقویٰ اور صبر کے امتحان میں کھڑا کرتا ہے۔

اللہ کی کتاب کو ماننے والے کسی فرقے یا گروہ پر جب زوال آتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اللہ اور رسول کا نام لینا چھوڑ دے یا اللہ کی کتاب سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کردے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دین مذہب اور تقلید بن کر اس گروہ کی نسلی روایات میں شامل ہوجاتا ہے۔ پھر وہ اس کا پُر فخر قومی اثاثہ بن جاتا ہے اور جس چیز سے اس طرح کا نسلی تعلق پیدا ہوجائے، اس سے علیحدگی اس گروہ کے لئے ممکن نہیں رہتی۔ پھر وہ بے دین ہوکر بھی اپنے آپ کو دیندار کہلاتے ہیں۔ وہ نجاتِ اُخروی سے بے فکر ہوکر اپنی زندگی گزارتے ہیں اور اس کے ساتھ ایسے عقیدے بنالیتے ہیں جن کے مطابق ان کو اپنی نجات یقینی نظر آنے لگتی ہے۔ وہ اپنے گھڑے ہوئے مذہب پر چلتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں، بخشوادیتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنا بخشش کا اختیار ان کو عنایت فرمادیا ہے مگر کوئی گروہ بے دینی کو دین کہے تو اس بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر وہ دنیوی کاروبار کو اللہ اور رسول کے نام پر کرنے لگے تو یہ گمراہی پر ڈھٹائی کا اضافہ ہے۔

مگر آپ، تو اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو ایسے ہٹ دھرم لوگوں میں خالص دین کی تبلیغ کرنی ہے، ان مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا ہے گویا آپ کو صبر کا جہاد کرنا ہے اور صبر اس بات کی ضمانت ہے کہ آپ کبھی جذباتی اقدام نہیں کریں گے۔ یہ امتحان ایک طوفانی امتحان ہے جس پر

آپ کو صبر کرنا ہے
ہر قسم کے حالات کے باوجود آپ کو اپنے دعوتی عمل پر قائم رہنا ہے اور ان کو لوگوں تک اس بات کی خبر پہنچانی ہے، جو ایک انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے۔

اللہ کا وعدہ

انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانوں کے سب سے زیادہ ہمدرد تھے لیکن جب انہوں نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا تو ہر قوم نے انہیں سخت تنگ کیا مگر انہوں نے صبر و استقلال کا دامن تھامے رکھا۔ انہوں نے اپنی قوموں کو مخاطب ہوکر کہا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ، وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ، وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○
(ابراھیم ـ ۱۱، ۱۲)

بے شک ہم تمہیں جیسے انسان ہیں، لیکن (ہمارا رسول بنایا جانا ہم پر اللہ کا بڑا احسان ہے) اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، احسان کرتا ہے (رہا معجزہ تو) بغیر اللہ کے حکم کے تمہیں معجزہ دکھانا ہمارے اختیار کی چیز نہیں۔ (تمہاری ایزاء رسانی کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں، ہم تو اللہ پر توکل کرتے ہیں) اور (تمام) مؤمنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے، اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں، حالانکہ (اس نے ہم پر کتنا زبردست احسان کیا ہے کہ) ہماری (نجات کی) راہیں ہم کو بتادیں، لہٰذا جو تکلیف بھی تم ہم کو پہنچاؤ گے، ہم اس پر صبر کریں گے اور (اللہ پر توکل کریں گے اور تمام) توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے۔

ہر زمانہ کے لوگ اپنے سے پہلے زمانہ کے کسی نہ کسی نبی کو مانتے تھے وہ جس نبی کو بھی مانتے تھے ان کے گرد انہوں نے طلسماتی قصے اور کہانیوں کا ایک ہالہ بنا رکھا تھا، ان کی شخصیتوں کو ایسا افسانوی رنگ دے دیا تھا جو ابتداء میں ان کے یہاں موجود نہیں تھا۔ ان کے لئے اپنے زمانہ کے نبی کو پہچاننے کا وہی معیار بن گیا۔ اسی لئے بعد میں آنے والی ہر قوم نے اپنے ہمعصر نبی سے یہی کہا کہ تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو بلکہ ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ اچھا چلو! کوئی معجزہ یا کرامت ہی دکھادو تو ہم تم کو نبی مان لیں گے۔ ہر نبی نے اپنی قوم کو یہی جواب دیا کہ معجزہ دکھانا ہمارے اختیار میں

نہیں۔

موجودہ زمانہ کے اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ دین کی خالص دعوت سے ان کی کرامتوں اور ان کے طلسماتی قصوں پر ضرب پڑتی ہے اور اسی لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہیں مانتے، نور مانتے ہیں۔ ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا کہ معجزہ نہ دکھانے کی وجہ سے تم ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے اور اسی وجہ سے تم ہم کو جو اذیتیں پہنچاتے ہو، ہم اس پر صبر کرتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا (مسئلہ نور و بشر کے لئے دیکھئے، ہماری کتاب "مشکل کشاء")

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ نہ معجزہ دکھاسکتے ہیں، نہ کرامت۔ لوگ آپ کے دلائل پر اعتماد کیسے کرلیں گے؟ وہ تو آپ کے دلائل کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گھڑے ہوئے اور اپنے بزرگوں کے طلسماتی قصے بیان کریں گے۔ ایسے حالات میں آپ کو مشتعل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ صبر و تحمل سے کام لینا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے کہ وہی آپ کی مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا، وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران - ۲۰۰)	اے ایمان والو! (خود بھی) ثابت قدم رہو اور (اپنے ساتھیوں کو بھی) ثابت قدم رکھو، مورچوں پر ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آپ کی ذمہ دارانہ زندگی آپ کو اپنے نفس کی آزادیوں سے محروم کردے گی۔ اسی طرح آپ کے اعلان حق سے بہت سے لوگوں کو اپنے وجود کی تردید ہوتی ہوئی نظر آئے گی اور وہ آپ کے دشمن بن جائیں گے۔ ایسے موقع پر آپ اپنے اندر ابھرنے والے منفی جذبات کو دبائیں اور متاثر ذہن کے تحت کوئی کاروائی نہ کریں، مگر آپ کو اپنی تبلیغ میں ثابت قدم رہنا ہے۔ یہ ثابت قدمی ہی وہ چیز ہے جو اللہ کی نصرت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ تمام ساتھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہیں۔ ایمان دراصل صبر کا امتحان ہے اور اس امتحان میں وہی پورا اترتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ (الشوریٰ - ۴۳)	جو شخص صبر کرے اور (بدلہ نہ لے بلکہ) معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

ایمان جب حقیقی معنوں میں کسی کو حاصل ہوتا ہے تو اس کے اندر ایک نئی شخصیت ابھرتی ہے، پھر وہ کبھی دوسروں پر جارحیت نہیں کرتا۔ دوسروں کے خلاف وہ جب بھی اقدام کرتا ہے تو دفاع کے طور پر کرتا ہے اور اتنا ہی کرتا ہے جتنا ان کے ظلم کو روکنے کے لئے ضروری ہو۔ وہ صبر

اشتعال انگیز حالت میں بھی اس کے لئے تیار رہتا ہے کہ لوگوں کو معاف کردے اور انہوں نے اس کے ساتھ جو برائی کی ہے، اس کو بھول جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی اس طرح کرتا ہے کہ اس کو اہل ہمت اور اولالعزم کے خطاب سے نوازتا ہے، فرماتا ہے :

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ
(المؤمن - ۵۵)

تو (اے رسول!) آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور (اے رسول!) اپنے (ہر اس) کام سے جس کا انجام اچھا نہ ہو، حفاظت کی (ہم سے) درخواست کیا کیجئے اور صبح و شام اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہا کیجئے

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○
(المؤمن - ۵۱)

(اور اے رسول!) ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے، دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کا یقینی وعدہ ہے مگر اس کا استحقاق ہمیشہ آزمائش اور صبر کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ آزمائش اور صبر کی یہ اہمیت اس لئے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اللہ کے داعی ثابت ہوجائیں اور ظالم مکمل طور پر ظالم ثابت ہوجائیں۔ اس تفریقی مرحلہ کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے آپ کو یکطرفہ طور پر صبر کرنا ہوگا۔ آپ کا یہی صبر آپ کو دنیا میں اللہ کی مدد کا مستحق بنائے گا اور اسی صبر کے ذریعہ آپ اس قابل ہوں گے کہ قیامت کے دن اللہ کے گواہ بنیں۔ مگر اللہ کے داعی کے علاوہ اللہ کا گواہ اور کون بن سکتا ہے ؟ مگر یاد رہے، اللہ کی مدد کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے اس تفریقی مرحلہ کو تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے۔

پھر کتنا بڑا یہ شرف ہوگا اور کتنی بڑی یہ بزرگی ہوگی جو اس دن آپ کو نصیب ہوگی، جب آپ ظالموں کے مقابلے میں اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہوں گے۔

حق آدمی کو اس وقت تو خوب نظر آتا ہے، جب اس کی زد دوسروں پر پڑتی ہو مگر جب اس کی زد خود اس کی ذات پر پڑتی ہے تو وہ اس کو نظر انداز کردیتا ہے۔ یہی لوگ ظالم ہیں۔ سنئے، اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے :

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا

اور (اے رسول! ظالموں تک ہمارا) پیغام پہنچانے والے بندوں کے متعلق ہمارا یہ فیصلہ پہلے ہی ہوچکا

لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (الصّافات - ۱۷۱ - ۱۷۳)

ہے کہ ان کی مدد ضرور کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

اللہ کے داعی کی بات کو لوگ نظر اندا ۔۔۔ یتے ہیں مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ کے داعی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لشکر ہوتے ہیں، خواہ مخالفت کرنے والے ان کی کتنی ہی مخالفت کریں، بالآخر وہی غالب رہیں گے مگر آزمائش اور صبر کے بعد، کیوں کہ ایمانی زندگی عمل کے اعتبار سے صبر والی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ جو لوگ صبر کی قیمت پر اللہ کے داعی بننے کے تیار ہوں، وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق قرار پائیں گے۔ ایمان کی بنیاد پر زندگی کی تعمیر کرنا زبردست امتحان ہے۔ اس امتحان میں وہی لوگ پورے اترتے ہیں جن کے لئے ایمان اتنی قیمتی دولت ہو کہ اس کی خاطر وہ دوسری چیزوں پر صبر کرنے پر راضی ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا، وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الروم - ۴۷)

اور (اے رسول!) ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، وہ ان کے پاس معجزے لے کر آئے (لیکن قوم کے لوگوں نے ان کو بدستور جھٹلایا) تو ہم نے ان (ظالم) گنہگاروں سے (ان کی سرکشی کا) انتقام لیا (اور انہیں نیست و نابود کردیا) اور مؤمنین کی مدد کرنا ہم پر حق ہے (اور ہم ان کی مدد کرتے ہی رہتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ اتنا رحیم ہے کہ جب کھیتی کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو بادلوں کے نظام کو متحرک کرکے پانی برساتا ہے، وہ یقیناً اپنے راستہ پر چلنے والوں کی بھی ضرور مدد فرمائے گا۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک کمزور بچہ ہوتا ہے، پھر طاقت اور جوانی کے بعد دوبارہ بڑھاپے کی کمزوری آجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی طاقت اس کی اپنی نہیں ہے۔ وہ اس کو دینے سے ملتی ہے۔ یہ دینے والے کے اختیار میں ہے کہ جب چاہے دے اور جب چاہے واپس لے لے۔ اللہ کے داعی کی مدد کا پیمانہ استقامت ہے اور جب تک یہ پیمانہ لبریز نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ

(اے رسول! آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے وہ استقامت کے ساتھ تبلیغ کرتے رہے) حتّٰی کہ (ایک وقت ایسا آیا کہ وہ (کفار کے ایمان لانے) سے مایوس

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○
(یوسف - ۱۱۰)

ہوگئے (اور نصرت الٰہی آنے میں تاخیر ہوئی تو) کفار نے یقین کرلیا کہ رسولوں سے (نصرتِ الٰہی کا) جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو (عین وقت پر ہماری نصرت (ان کے پاس) پہنچ گئی، پھر وہی شخص (اللہ کے عذاب سے) بچ سکا جس کو اللہ نے (بچانا) چاہا (رہے) مجرم (تو ایسا لوگوں سے ہمارا عذاب ٹلا نہیں کرتا۔

جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب مقدّر یا مقرّر ہوجاتا ہے تو اس کو اپنی اصلاح کرنے کی پوری مہلت دی جاتی ہے یا جرائم کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تاکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حجّت قائم ہوجائے۔ اس دوران ایمان والوں کو صبرواستقامت سے اپنی تبلیغ کو جاری رکھنا ہوتا ہے۔ بس اللہ کی مدد یا کفار پر عذاب اپنے وقت پر ہی آتا ہے مگر ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں تاخیر محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی آیت کا دوسرا رخ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ، مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○
(البقرۃ - ۲۱۴)

(اے ایمان والو!) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہوجاؤ گے؟ حالانکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرچکے ہیں، ان لوگوں جیسی مصیبتیں ابھی تمہیں پیش نہیں آئیں۔ ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب جھنجوڑدیئے گئے، یہاں تک کہ رسول اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے، پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا)۔ "خبردار ہوجاؤ! اللہ کی مدد عنقریب آنے والی ہے"

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کی۔ آپ اس وقت کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے ہم نے کہا۔ "اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لئے (اللہ سے) مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دعاء نہیں کریں گے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں (ان کا تو یہ حال تھا کہ) ان میں سے کسی شخص کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا، پھر اس گڑھے میں اسے کھڑا کردیا جاتا تھا، پھر آرا لایا جاتا تھا اور اس کے سر پر رکھ کر،

اس کے بدن کو چیر کر دو ٹکڑے کردیا جاتا تھا لیکن یہ بات اس کو دین (کی تبلیغ) سے باز نہیں رکھتی تھی اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوہے کی کنگھیاں اس کے بدن پر پھیری جاتی تھیں اور وہ کنگھیاں (اس کے) گوشت کو چیرتی ہوئی ہڈی یا پٹھے تک پہنچ جایا کرتی تھیں لیکن یہ بات بھی اسے دین (کی تبلیغ) سے نہ روکتی تھی (وہ صبر و استقامت کے ساتھ دین پر جما رہتا تھا) اللہ کی قسم اللہ ضرور اس امر (دین) کی تکمیل فرمائے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک جائے گا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہ ہوگا یا اپنی بکریوں کے لئے سوائے بھیڑیے کے اور کسی کا خوف نہ ہوگا، لیکن (اے ایمان والو!) تم جلدی کرتے ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء)

اس حدیث نے تو توکل اور صبرواستقامت کے پیمانہ کو لبریز کردیا۔

دین جب روشن دلائل کے ساتھ سامنے آتا ہے اور اس کے باوجود اگر کوئی اس کا ساتھ نہ دے تو ہمیشہ اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا دنیوی وقار باقی نہیں رہے گا مگر یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے وفادار بندوں سے مطلوب ہے۔ آدمی جس راستہ کی دشواریوں سے گھبراکر اس پر آتا نہیں چاہتا، وہی وہ راستہ ہے جو جنت کی طرف جانے والا ہے۔ جنت کی واحد قیمت آدمی کا اپنا وجود ہے۔ سنئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ، يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ، وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ، وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ، وَبَشِّرِ

بیشک اللہ نے مؤمنین سے جنت کے عوض ان کی جانیں اور ان کے مال خریدلئے ہیں (اسی لئے) وہ اللہ کے راستہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل بھی ہوجاتے ہیں۔ اللہ کا یہ وعدہ توریت، انجیل اور قرآن میں لکھا ہوا ہے (اور اس کا پورا کرنا) اس کے ذمہ ہے اور (اے ایمان والو!) اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ لہٰذا تم نے جو سودا اللہ سے کیا ہے، اس پر خوشی مناؤ یہ بہت بڑی کامیابی ہے (جو تم کو میسر ہوئی ہے۔ یہ سودا کرنے والے وہی لوگ ہیں جو) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کام کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ - ۱۱۱، ۱۱۲)

حفاظت کرنے والے (ہیں۔ ایسے لوگ ہی مؤمنین ہوسکتے ہیں، لہٰذا اے رسول!) آپ مؤمنین کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اللہ کا داعی بننا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دینا ہے، بندہ اپنا مال اور اپنی زندگی اللہ کو دے دیتا ہے یہ دراصل اپنی حوالگی اور اپنی سپردگی کی تعبیر ہے کسی بھی چیز سے حقیقی تعلق ہمیشہ حوالگی اور سپردگی کی سطح پر ہوتا ہے۔ تعلق کا یہی درجہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں مطلوب ہے۔ جب اللہ کا داعی اللہ کے دین کو اس طرح اختیار کرتا ہے تو دین کا معاملہ اس کے لئے کوئی علیحدہ معاملہ نہیں رہتا بلکہ وہ اس کا ذاتی معاملہ بن جاتا ہے۔ اب وہی اس کی دلچسپیوں اور اندیشوں کا مرکز بن جاتا ہے، پھر جو بھی اس کے ربط میں آتا ہے، اس کو بھلائی کے راستہ پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اپنے سامنے کسی برائی کو دیکھتا ہے تو اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اللہ کی حدوں کا اس طرح نگہبان اور پاسبان بن جاتا ہے جس طرح باغبان اپنے باغ کا۔

اللہ کے داعی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے دین میں پختہ ہوتا ہے، اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے اور جو دین میں کمزور ہوتا ہے، اس کی آزمائش ہلکی ہوتی ہے اور مضبوط دین والے کی آزمائش برابر ہوتی رہتی ہے۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہوتی ہے۔

صبر یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو حوادث زمانہ پر چھوڑ دے اور جدوجہد نہ کرے بلکہ صبر یہ ہے کہ انسان انتہائی جدوجہد کرتا رہے مگر نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ شکست کے وقت صبر یہ ہے کہ انسان دل شکستگی سے بچے اور ناامید ہوکر کہیں بے عمل ہی نہ ہوجائے۔ فتح کے وقت صبر یہ ہے کہ اپنی کامیابیوں سے پھول کر فخر کا شکار نہ ہوجائے اور ہردلعزیزی اور اقتدار حاصل ہونے کے بعد اپنے مقصد ہی کو نہ بھول جائے۔ الغرض، ہر وقت سرگرم عمل رہے، خواہ مدت عمل کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہوجائے حتّٰی کے اپنے رب سے جاملے۔ جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچ کر دکھاتے ہیں وہ اپنی منزل مقصود کو ضرور پہنچ کر رہتے ہیں اور اللہ کا دین ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ غالب ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی شہادت اور سچائی تو ثابت ہو ہی جاتی ہے اور دونوں صورتوں میں اس کی منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ صبر اور استقامت کے پیمانہ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی لبریز کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ

(اور اے رسول!) آپ (تو) صبر ہی کرتے رہیئے، آپ

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ٥ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ ٥

(النحل - ۱۲۷ - ۱۲۸)

کا صبر کرنا تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے (بغیر اس کی توفیق کے تو صبر ہو ہی نہیں سکتا) اور (اے رسول !) ان (منکرین کے حال) پر آپ رنج و غم نہ کیجئے اور جو تدبیریں یہ لوگ کر رہے ہیں، ان سے تنگ دل نہ ہوجایئے۔ بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے رہتے ہیں۔

دنیا میں دو قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ ایک وہ، جن کو بس انسانوں کی کارروائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ دوسرے وہ، جن کی نگاہیں اللہ تعالیٰ میں اٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ صبر پر قادر نہیں ہوسکتے۔ اللہ کے داعی کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا ہے کہ یقیناً وہ دعوت حق کا ساتھ دے کر باطل پرستوں کو ناکام بنادے گا۔ اللہ کے داعی کو اصولاً جو ثبوت دینا ہے، وہ یہ کے وہ فی الواقع اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے۔ اگر اللہ کا داعی یہ ثبوت دے دے تو پھر اس کے بعد بقیہ امور میں اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے کافی ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد دعوت کے مخالفین کی کوئی تدبیر اللہ کے داعی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، وہ تدبیر خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو اور اسی لئے جوابی کاروائی سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ اپنی ہر قوت اور صلاحیت دعوت میں صرف ہوتی رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور سے نصیحت حاصل کیجئے۔

خوئے دلنوازی

کوئی کارواں لوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

علامہ اقبال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

(اور اے رسول !) یہ تو (آپ پر اللہ کی رحمت ہے کہ آپ مؤمنین کے لئے بڑے (دلنواز و) نرم واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے اردگرد سے بھاگ جاتے لہٰذا (حسب عادت) آپ ان کو معاف کرتے رہیے، ان کے لئے (اللہ سے)

عَلَى اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ (آل عمران - ۱۵۹)

مغفرت طلب کرتے رہیں اور (انتظامی) امور میں ان سے مشورہ کرتے رہیں، پھر جب آپ کسی کام کا عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیئے (اور اس کام کو کر گزریئے) بے شک بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں:۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جارہا تھا۔ آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا حاشیہ بہت سخت تھا (اثنائے راہ میں) آپ کو ایک دیہاتی ملا۔ اس نے آپ کی چادر کو پکڑکر بہت زور سے آپ کو کھینچا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے زور کے کھینچنے سے چادر پھٹ گئی اور آپ کے کندھوں پر چادر کے حاشیہ کا نشان پڑگیا، پھر اس نے کہا:۔ "اے محمد! جو مال اللہ کا آپ کے پاس ہے، اس میں سے کچھ مجھے بھی دینے کا حکم دیجئے۔" آپ نے اس کی طرف دیکھا، آپ مسکرائے اور اس کو کچھ مال دینے کا حکم صادر فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الادب و صحیح مسلم کتاب زکوٰۃ) "چادر پھٹ گئی" کے الفاظ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:۔ میں نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آپ نے کبھی مجھ سے اُف تک نہیں کہا، نہ آپ نے کبھی یہ پوچھا کہ تم نے (یہ کام) کیوں کیا اور نہ کبھی یہ پوچھا کہ تم نے (یہ کام) کیوں نہیں کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الادب و صحیح مسلم کتاب الفضائل)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ فرماتی ہیں:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی بھی تکلیف پر جو آپ کو پہنچائی گئی، بدلہ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری کتاب المحاربین و روی مسلم فی صحیحہٖ، نحوہٗ، فی کتاب الفضائل)

(۴) ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے قرضے کی ادائیگی کا تقاضہ کیا اور (تقاضے میں) بہت سختی کی۔ صحابۂ کرام نے اسے سرزنش کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "اسے چھوڑدو، اس لئے کہ حق والے کو کہنے کا حق ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الوکالت)

اس آیت اور احادیث میں اہل ایمان کے ساتھ جس اجتماعی سلوک کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی ہے، وہی سلوک امیر کو مسلمین کے ساتھ کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی بھی قدرومنزلت ہو۔ غلطی خواہ کتنی ہی بڑی ہو، اگر وہ شرپسندی نہیں ہے تو قابل

معافی ہے۔ وہ مسلمین کا اتنا خیر خواہ ہو کہ اس کے حق میں مسلمین کے دل سے دعائیں نکلیں۔ اس کی نظر میں تمام مسلمین کی اتنی قدر ہو کہ معاملات میں وہ ان سے مشورے لے۔ اپنے آپ کو کچھ لوگوں تک محدود نہ کرلے۔ ذمہ داریوں کو بدلتا رہے اور لوگوں کی شکایتوں کو اہمیت دے۔ ہر شکایت الزام نہیں ہوتی۔ ثبوت کو اہمیت دے ورنہ باہمی تعلقات میں لکیریں پڑجاتی ہیں پھر کچھ لوگ اس سے بدگمان ہوجاتے ہیں اور کچھ لوگ اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اس میں خواہ قصور کسی کا بھی ہو، نقصان ہر طرف ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

(طٰهٰ ۔ ۴۲-۴۴)

اے موسیٰ! تم اور تمہارا بھائی، (دونوں) میری نشانیاں لے کر (تبلیغ کے لئے) جاؤ (اور دیکھو!) میرے ذکر (کے سلسلہ) میں (کسی قسم کی) کوتاہی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا ڈر جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ بھلائی سے محروم ہے" (صحیح مسلم کتاب البر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بیشک اللہ نرم ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے اور جو کچھ وہ نرمی پر عطاء فرماتا ہے، سختی پر عطاء نہیں فرماتا اور نہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر عطاء فرماتا ہے" (صحیح مسلم کتاب البر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بیشک جب کسی چیز میں نرمی ہوتی ہے تو وہ نرمی اس چیز کو زینت دیتی ہے اور جب کسی چیز سے نرمی نکل جاتی ہے تو اسے عیب دار کردیتی ہے" (صحیح مسلم کتاب البر)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی یاد میں کمی نہ کرنا۔ دوسری، دعوت میں نرمی کا انداز اختیار کرنا۔

اللہ کے داعی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نصیحت دونوں لازمی شرطیں ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل مطمئن اور نرم ہوتا ہے، لہٰذا نصیحت وہی کرسکتا ہے، اور جس کا دل نرم اور مطمئن نہیں ہوتا، وہ نصیحت نہیں کرسکتا کیوں کہ اس کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ حکم کا لہجہ

ختیار کرلیتی ہے یا تنقید کا انداز۔ اس لئے عموماً ایسے لوگ تبلیغ میں کامیاب نہیں ہوتے۔

مخاطب کی طرف سے داعی کو عموماً یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کے منہ سے کوئی سخت بات نکلے گی مگر یہ آیت اللہ کے داعی کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ اپنے مخاطب کو کوئی سخت جواب دے ورنہ تبلیغ جدال اور مناظرہ میں تبدیل ہوجائے گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ فرعون کو تبلیغ کرنے میں نرمی کا انداز اختیار کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

نصیحت وہی حاصل کرسکتا ہے جس کے دل میں خوف کا کوئی اندیشہ ہو کیوں کہ دل اسی کا نرم ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ اور ہارون علیہم الصلوٰۃ والسلام فرعون کے دربار میں جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ، قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ، وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ، لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ، فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○

(طٰہٰ - ۴۷ تا ۵۳)

ہم تیرے رب کی طرف سے رسول (بن کر آئے) ہیں (تو اپنے رب پر ایمان لا اور) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ (لہٰذا تو ہماری لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کر تاکہ تو سلامتی حاصل کرے، اس لئے کہ) سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایتِ (ربّانی) کی پیروی کرے۔ ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب اسی پر (نازل) ہوگا جو (اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو) جھٹلائے اور اس سے منہ موڑے" (ان کی بات سن کر فرعون نے کہا۔) "اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟" (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت کی (تاکہ وہ ان اغراض و مقاصد کو پورا کرسکے جس کے لئے وہ چیز پیدا کی گئی ہے)۔" (فرعون نے کہا۔ "اگلے لوگوں کا کیا حال ہے؟" (موسیٰ نے فرمایا۔ "ان لوگوں (کے انجام) کا حال میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے، (ویسے اسے لکھنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں، اس لئے کہا) میرا رب نہ غلطی کرتا ہے، نہ بھولتا ہے

(اس کے علم میں ہر چیز محفوظ ہے۔) وہی ہے جس نے
تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، تمہارے لئے زمین میں
(چلنے پھرنے کے لئے) راستے بنائے اور بادل سے پانی
برسایا، پھر اس سے انواع و اقسام کی مختلف نباتات
اُگائیں۔"

فرعون اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ابتدائی مکالمہ کے دوران ایک جملہ قابلِ ذکر ہے، فرعون نے کہا۔ "اگلے لوگوں کا کیا حال ہے۔" یعنی ہمارے آباء و اجداد نے تو تمہارے رب کی وحی کی پیروی نہیں کی، ان پر تمہارے رب کا عذاب ہوگا یا نہیں ؟" ظاہر ہے اس سوال کا منطقی جواب فرعون کو معلوم تھا تاکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو جواب دیں اس سے اس کے درباری مشتعل ہوجائیں اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کا مقصد فوت ہوجائے لہٰذا انہوں نے بڑی حکمت سے کام لیا اور فرمایا۔ "اس کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا رب نہ چوکتا ہے، نہ بھولتا ہے، وہ وہی تو ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا۔" الغرض، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جواب دے کر اشتعال انگیزی کے خطرہ کو ٹال دیا اور اپنی تبلیغ کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر جاری رکھا۔ اس طرح فرعون کے ترکش سے جو زہریلا تیر نکلا تھا، اس کا وار خالی گیا جو اللہ کے داعی کو پسپا ہونے پر مجبور کردیتا یا دربار میں شور و ہنگامہ برپا ہوجاتا اور لوگ ان پر ٹوٹ پڑتے اور کہتے کہ کیا تم ہمارے آباء و اجداد کو جہنمی قرار دیتے ہو ؟

فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ "تمہارا رب کون ہے ؟" اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے رب سے بے خبر تھا۔ اس کا یہ جملہ دراصل موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر تھا۔ بنی اسرائیل مصر میں غلاموں اور مزدوروں کی قوم سمجھی جاتی تھی، اس لئے ان کے عقائد بھی مصر میں ناقابل ذکر شے کی حیثیت اختیار کرچکے تھے۔ جس طرح آج انہیں یہود و نصاریٰ میں اسلامی عقائد کی کوئی حیثیت اور قدر نہیں رہی مگر جب اسلام کا غلبہ تھا تو وہ مسلمین سے ان کے علوم حاصل کرتے تھے اور آج ہم ان سے ان کے الفاظ سے بھرپور علوم حاصل کررہے ہیں۔

الغرض، ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے داعی کو اپنے مخاطب کے منطقی سوال کا جواب بڑی احتیاط سے دینا چاہیئے ورنہ جدال اور مناظرہ شروع ہوجائے گا اور تبلیغ کا مقصد فوت ہوجائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ، كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ، ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(الانعام - ۱۰۹)

اور (اے ایمان والو!) جن ہستیوں کو یہ مشرکین اللہ کے علاوہ (مدد وغیرہ کے لئے) پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ زیادتی اور لاعلمی (کی وجہ) سے اللہ کو برا کہہ بیٹھیں (اور اس کو اچھا سمجھ لیں کیوں کہ) ہم نے اس طرح ہر جماعت کے لوگوں کی نگاہ میں ان کے عمل کو مزین کر رکھا ہے (فی الحال تو وہ جو چاہیں کریں) انجام کار تو انہیں اپنے رب ہی کے پاس لوٹنا ہے، پھر وہ انہیں جتائے گا کہ وہ (دنیا میں) کیا کیا کرتے رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے" آپ سے پوچھا گیا۔ "اے اللہ کے رسول! آدمی اپنے والدین پر کیسے لعنت کرسکتا ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کوئی شخص (دوسرے) شخص کے باپ کو برا کہے گا تو (جواب میں) وہ اس کے باپ کو برا کہے گا اور اگر وہ اس کی ماں کو برا کہے گا تو (جواب میں) وہ اس کی ماں کو برا کہے گا۔" (صحیح مسلم کتاب الادب)

اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال پیش کی جارہی ہے۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ فراست اور حکیمانہ بالغ النظری کا اندازہ کیجئے، انہوں نے اپنی قوم کے معبودان باطل کی کوئی ہجو نہیں کی اور نہ ان کو برے نام سے یاد کیا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو عین ممکن تھا کہ ان کے مخاطب بپھر جاتے اور سرے سے بات سننے کے لئے تیار ہی نہ ہوتے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بجائے ان کو کچھ کہنے کے انہیں کو مجبور کیا کہ وہ ان کے سوالات کے جوابات دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○

اور (اے رسول!) ان کو ابراہیم کا حال سنائیے، جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا۔ "یہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟" (جواب میں) انہوں نے کہا "ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں کے ارد گرد بیٹھے رہتے ہیں۔" (ابراہیم نے) کہا۔ "جب تم (ان کو) پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری (آواز کو) سنتے ہیں؟

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ (الشعرآء - ۶۹ تا ۷۴)

یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں ؟" (انہوں نے) کہا۔ "(اس معلومات کی بنیاد پر ہم ان کی عبادت) نہیں (کرتے) بلکہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

انسان سنتا ہے اور ایک دوسرے سے نفع کی امید رکھتا ہے اور نقصان سے ڈرتا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے جو دو سوال کئے، انسانی زندگی انہیں دو بنیادوں پر قائم ہے۔ یہی وہ سرے ہیں جن سے انسانی زندگی بندھی ہوئی ہے۔ یہی روز مرہ کا معمول ہے، یعنی نفع کی امید اور نقصان کا خوف۔ زندگی کی پوری گردش انہیں بنیادوں پر قائم ہے۔ وہ کہنے لگے۔ "نہیں یہ بات نہیں کہ وہ ہمیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہوں، بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔" ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی بات ان کے منہ سے نکلوانا چاہتے تھے کیوں کہ اس کے سوا وہ کوئی جواب دے ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ وہمی اور افسانوی معبود جن کا کہیں وجود نہیں، ان کا زندگی سے کیا رشتہ ؟ وہ انسانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں ؟ کس مصیبت سے یہ نجات دلاسکتے ہیں ؟ بس ان کے آباء و اجداد نے یہ عقیدہ گھڑلیا تھا کہ وہ انہیں نفع و نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ یہ دلیل حقیقت کے مطابق نہیں تھی، اسی لئے، انہوں نے وہی جواب دیا جو ایک حقیقت تھی اور وہ یہ کہ "ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" اس کے بعد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو جو تبلیغ کی وہ ایک حقیقت تھی، ناقابل تردید دلیل تھی، فرمایا۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعرآء - ۷۵ تا ۸۲)

(دیکھو !) جن کی تم عبادت کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے آباء و اجداد بھی، یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری راہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفاء دیتا ہے، جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے مجھے امید ہے کہ جزاء و سزا کے دن میری خطائیں کو معاف کرے گا۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی فلسفہ و منطق سے جواب نہیں دیا۔ ان کا پورا جواب انہیں زندگی کی دو بنیادوں پر مبنی ہے، یعنی مدد کی امید اور نقصان کا خوف۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بتوں کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ عمومی نوعیت کے اعتبار سے اپنی قوم اور آباء و اجداد کے ساتھ ان بتوں کو اپنا دشمن کہا تاکہ ان کی توجہ تقسیم ہوجائے، اور نہ یہ کہا کہ میں ان بتوں کا دشمن ہوں، بس بعد میں چپکے سے ان کے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ اس کے ذریعہ پھر ان پر ایک اور دلیل قائم کریں کہ اگر یہ بولتا ہے یا حاضرو ناظر ہے تو ضرور اسے معلوم ہوگا کہ کس نے ان بتوں کو توڑا ہے؟ (تفصیل کے لئے دیکھیئے الانبیاء۔ ۵۸۔ ۶۸ اور العنکبوت۔ ۲۴) مگر کہیں بھی ترش رویہ اختیار نہیں کیا۔

ایک طرف ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم تھی۔ اس نے اپنے آباء و اجداد کو جو کرتے دیکھا، وہی خود بھی کرنے لگی۔ دوسری طرف ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جنہوں نے خود اپنی عقل سے سوچا، اپنے ماحول سے اوپر اٹھ کر سچائی کو معلوم کرنے کی کوشش کی۔ یہی وہ صفت خاص ہے جو آدمی کو اپنے اللہ کی معرفت تک پہنچاتی ہے اور اس صفت میں جو درجہ کمال تک پہنچ جائے اس کو اللہ کا داعی بنادیتی ہے۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے اپنے کو ہر جگہ پر بے دلیل پایا۔ اس کی عقل کے دروازے کھل چکے تھے، اس کے باوجود وہ تعصب کی سطح پر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہی۔ یہی وہ تقلید ہے جس کا دوسرا کراہت زدہ نام شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا، إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝
(لقمان ۔ ۱۸۔ ۱۹)

اور (اے میرے بیٹے!) لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرنا اور زمین میں اترا کر نہ چلنا، بیشک اللہ کسی اترانے والے، گھمنڈ کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور (اے میرے بیٹے!) اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا اور اپنی آواز کو پست رکھنا، (گدھے کی طرح نہ چیخنا) بیشک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز (ہوتی) ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت انسانی نرمی، ہمدردی اور محبت سے لازماً متاثر ہوتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات نقش کرنے کے لئے پہلے انہیں وہ بات سننے پر آمادہ کرنا پڑتا ہے اور جس شخص کو یقین ہوگا کہ آپ اس کے حقیقی خیر خواہ ہیں تو وہ آپ کی بات سننے کے لئے جلدی تیار ہوجائے گا۔ حق بات کہنے کے لئے لہجہ اور الفاظ ایسے استعمال کئے جائیں جو سننے والے کے دل میں اترجائیں۔ دنیا میں سب سے بڑے حق گو انبیاء کرام تھے مگر انہوں نے اپنی انتہائی شدید،

بدکردار اور تنگ کرنے والی قوموں کو بھی "اے میری قوم" کہہ کر ہی مخاطب کیا اور ان کی شرارتوں کا جواب خیر خواہی اور دعاؤں سے ہی دیا۔

دعوت دین صرف زبان ہی سے نہیں دی جاتی بلکہ اپنے اعمال و افعال، محبت و ہمدردی اور حسن سلوک سے بھی دی جاتی ہے۔ اگر ہم حسن سلوک اور محبت و ہمدردی کو ہی تہہ کرکے رکھ دیں گے تو ہمارے خشک واعظ و نصیحت سے کون متاثر ہوگا؟ خوئے دلنوازی اس وقت تو بے حد ضروری ہے کہ انبیاء کرام کا یہ طرۂ امتیاز تھا۔

اے لا الٰہ کے وارث، باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

علامہ اقبالؒ

تسلی

اللہ کے داعی کی ایک نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ راہ حق کی دقتوں اور بار بار کی شکستوں سے دلبرداشتہ ہوکر یاس کا شکار نہیں ہوتے کیوں کہ ان کا ایمان ہوتا ہے کہ اگر ہماری نیت نیک ہے تو جو تگ و دو ہم کر رہے ہیں، اس کا بیکار جانے کا یا کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مگر اللہ کے داعی کے لئے ہر مرحلہ بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ خصوصا جب وہ دیکھتا ہے کہ اسے بار بار اپنے مقصد میں شکست ہورہی ہے اور مخالفین اپنی غلط روی کے باوجود دنیا میں خوب پھل پھول رہے ہوتے ہیں اور نہ ان کے راہ حق پر آنے کا کوئی امکان نظر آتا ہے، بلکہ ان کی گمراہی کے ذرائع وسائل میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے جن کے ذریعہ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بیشک یہ صورت حال بڑی پریشان کن ہے بلکہ مایوس کن ہے۔

اللہ کے داعی کے دل میں یاس پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے دل میں یہ خواہش شدّت کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس کی کوشش کے نتائج بہت جلد نکل آئیں لیکن دعوت و تبلیغ کے نتائج کوئی ایسی شے نہیں جسے ترازو سے تولا جاسکے۔ جس کے سامنے آپ نے حق کو پیش کیا ہے اور آپ نے محسوس کیا ہے کہ وہ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوا لیکن کم از کم وہ اتنا ضرور متاثر ہوا ہے کہ آپ نے اس کے کان میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بات ڈال دی۔ ممکن ہے، کل اس کے حالات میں کوئی ایسی تبدیلی آجائے جو اس کے دل کو بدل دے۔ آپ ذرا اپنے حالات پر تو غور

کیجئے۔ آپ میں کیسے تبدیلی آئی اور آپ کن کن مرحلوں سے گزر کر راہ حق کے مسافر بنے ؟ آپ کو کن کن لوگوں نے تبلیغ کی تھی اور آپ نے ان کی باتوں سے کیا کیا اثرات مرتّب کر کے یہاں تک پہنچے ؟ اس میں کتنا عرصہ گزرا ؟ الغرض، اللہ کے داعی کو اپنے مخاطب سے زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ اس کی کوشش کے نتائج ضرور اس کی آنکھوں کے سامنے مرتّب ہوں گے۔ خلوصِ دل سے کی ہوئی کوئی بھی کوشش رائیگاں نہیں جاتی۔ مخلصانہ طور پر کی جانے والی تگ و دو کے نتائج ضرور کبھی نہ کبھی نکلتے ہیں۔ یہ وہ راہ ہے جس میں دیر تو ضرور ہے مگر اندھیر بالکل نہیں۔ ایک مخلص داعی کا کام یہی ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کمی نہ آنے دے۔ اس راہ میں جلدبازی اور بے صبری عار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جلدی مچانا ایک سچّے داعی کے شایانِ شان نہیں۔ داعی کا کام یہی ہے کہ مؤثر طریقے سے دین کی دعوت کو پیش کرے اور یہ کوشش کرے کہ مخاطب اس کو قبول کر لے۔ اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے۔ یہی اصل کامیابی ہے، باقی رہا دین کا عملاً قائم ہوجانا تو یہ تو اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تب ہوگا۔

اللہ کا داعی اگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ میرا کام تو یہی ہے کہ بہتر طریقے سے اپنا فرض ادا کرتا رہوں، تو اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ دل شکستگی سے بچ جائے گا۔

<u>کوشش کے نتائج بھی دو قسم کے ہوتے ہیں</u> ایک وہ جو فوری طور پر نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایک مدّت کے بعد نکلتے ہیں۔ انسان اپنی محدود نگاہ یا لاعلمی کی وجہ سے ان نتائج ہی کو دیکھ سکتا ہے جو جلد نکلنے والے ہوتے ہیں، حالانکہ بعد میں نکلنے والے نتائج مستقل اور پائیدار ہوتے ہیں۔

واقعات بدلتے ہیں تو حالات بھی بدل جاتے ہیں، یہی زمانہ کی وہ پر حکمت گردش ہے جو تقدیر کے زیر اثر ہے۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں ڈال دیا تو ان کو کیا معلوم تھا کہ ایک دن ان کا بھائی ایک سردارِ با اقتدار ہوگا اور وہ اس کے حضور میں دست بستہ کھڑے درخواست گزار ہوں گے۔ یہی تقدیر کی وہ پر حکمت گردش ہے جو اتنی دور تھی کہ ان کے عمل کے اثرات ان کو نظر نہیں آرہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔-

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا، إِنَّ اللَّهَ

پھر جب یوسف کے پاس (ان کے بھائی) پہنچے تو کہنے لگے ۔ اے سردارِ با اقتدار ! ہم اور ہمارے اہل و عیال بڑی تکلیف میں ہیں، (جو) تھوڑی (بہت) پونجی (ہمارے پاس تھی وہ) ہم لے آئے ہیں۔ آپ ہم کو

يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○ قَالَ هَلْ
عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ
اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ
لَاَنْتَ يُوْسُفُ ، قَالَ اَنَا يُوْسُفُ
وَهٰذَآ اَخِىْ ، قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ،
اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالُوْا
تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا
وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ○ قَالَ لَا
تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ، يَغْفِرُ
اللّٰهُ لَكُمْ ، وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

(یوسف ۔ ۸۸-۹۲)

• (اس کے عوض غلہ کا) پورا (پیمانہ بھر کر) دیں اور کچھ ہم کو صدقہ بھی دیں، اللہ صدقہ دینے والوں کو (بہت) ثواب دیتا ہے۔" یوسف نے (اپنے بھائیوں سے) کہا۔ "تمہیں معلوم ہے، جب تم نادان تھے تو تم نے یوسف اور اس کے (سگے) بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟" انہوں نے کہا۔ "کیا آپ یوسف ہیں؟" یوسف نے کہا۔ "ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور جو شخص بھی تقویٰ اختیار کرے اور صبر (و استقامت کے ساتھ نیکیاں) کرتا رہے تو اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔" (بھائیوں نے) کہا۔ "اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر برتری عطا فرمائی، بیشک ہم غلطی پر تھے۔" یوسف نے کہا۔ "آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے، وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

"اللہ تعالیٰ "تقویٰ اور صبر کرنے والوں کے اَجر اور عمل کو ضائع نہیں کرتا" یہی سورۂ یوسف کا خلاصہ ہے۔ معاملاتِ دنیا اور تبلیغ میں جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا طریقہ اختیار کرے اور بے صبری والے طرز عمل سے بچے، بالآخر وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

مصر میں ابتداً سات سال اچھے اور اس کے بعد سات سال خراب یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے تحت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام سالوں کو اچھے سال بنا دیتا۔ اسی طرح یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کنویں میں ڈالا جانا اور پھر اس سے نکل کر مصر پہنچنا وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کو کنویں کے مرحلہ سے گذارے بغیر مصر کے اقتدار تک پہنچا دیتا لیکن اگر یہ تمام غیر معمولی حالات پیش نہ آتے تو اسباب کی اس دنیا میں وہ اس بات کی مثال کیسے بنتے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے تقویٰ اور صبر کی روش پر قائم رہتے ہیں۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد سے فرماتے ہیں۔

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ، قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا، وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ، اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ، اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝
(یوسف - ۱۰۰)

اے ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے ربّ نے اسے سچ کر دکھایا اور اس نے مجھ پر بڑا احسان کیا جب کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا (اس نے اس فساد کو ختم کردیا) اور آپ سب لوگوں کو گاؤں سے یہاں لے آیا بیشک میرا ربّ بڑا باریک بین ہے (یعنی وہ) اس کام کے لئے، جس کو وہ چاہتا ہے (کہ ہوجائے) بڑی باریک اور خفیہ تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ بیشک وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے منصوبہ کی تکمیل اور اپنے نیک بندوں کی مدد کے لئے ایسی خفیہ تدبیریں کرتا ہے جن کی طرف عام انسانوں کا گمان بھی نہیں جاسکتا۔ بس صبر اور تقویٰ کا دامن تھام کر رکھے اور ہر قسم کے حالات میں اپنے مشن کو جاری رکھے۔ اس کے بعد ایسے واقعات رونما ہوں گے جو حالات کو تبدیل کر دیں گے۔ یہی زمانہ کی وہ گردش ہے جو تقدیر کے زیر اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ، وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ، اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ، اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ، وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
(ھود - ۱۲۰ تا ۱۲۳)

اور (اے رسول!) رسولوں کی تمام خبریں جو ہم آپ کو سنارہے ہیں (ان کا مقصد یہ ہے کہ) ہم ان کے ذریعہ آپ کے دل کو ثابت رکھیں اور (اے رسول!) جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجئے۔ "تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم (اپنی جگہ پر) عمل کر رہے ہیں، (پھر اللہ کے حکم کا) تم بھی انتظار کرو (اور) ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔" اور (اے رسول!) آسمانوں اور زمین کی تمام غیب کی باتوں کو تو بس اللہ ہی جانتا ہے (لہٰذا یہ بات کہ اللہ کا فیصلہ اور حکم کب آئے گا، وہ اللہ ہی جانتا ہے) تمام کام (و اعمال) اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، لہٰذا اسی کی عبادت کیجئے، اسی پر

بھروسہ رکھیئے اور جو کچھ آپ لوگ کر رہے ہیں، آپ کا
ربّ اس سے غافل نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے واقعات اس لئے بیان کئے ہیں تاکہ اللہ کا داعی اس سے سبق حاصل کرسکے۔ رسولوں کے واقعات میں اللہ کا داعی یہ دیکھتا ہے کہ ان کی مخاطب قوموں نے ان سے کیسے کیسے جھگڑے کئے، سیدھی بات کو غلط رخ دے کر کیسے کیسے شوشے نکالے، ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی، ان کو اس طرح رد کردیا جیسے ان کی کوئی قدر ہی نہ ہو۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔ ان کی بات سب سے برتر ثابت ہوئی۔ مخالفین کی تمام کاروائیاں ناکام ہوکر رہ گئیں۔

ان مثالوں سے اللہ کے داعی کو یہ تاریخی اعتماد حاصل ہوتا ہے کہ اس دعوتِ حق میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں، ان میں اس کے لئے نہ مایوسی کا سوال ہے اور نہ کسی قسم کی گھبراہٹ کا۔ دعوتِ حق کی راہ میں ایسے واقعات ہمیشہ پیش آتے ہی رہتے ہیں، پھر اس کو اسی طرح کامیابی حاصل ہوگی جس طرح اس سے پہلے اللہ کے سچے داعیوں کو حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ، إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○

(یونس - ۷۱، ۷۲)

اور (اے رسول!) ان کو نوح کا قصہ سنائیے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا۔ "اے میری قوم! اگر میرا منصب اور میرا (تم کو) اللہ کی آیات کے ذریعہ نصیحت کرنا شاق گزرتا ہے تو (سن لو!) میں تو اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ تم (میرے خلاف) اپنی کسی تدبیر کا اجتماعی فیصلہ کرلو اور (اس کام کے لئے) اپنے شریکوں کو بھی جمع کرلو، پھر (دیکھو!) تمہاری تدبیر (کا کوئی گوشہ) تم پر مخفی نہ رہ جائے، پھر (جو کچھ تم کرنا چاہو) میرے خلاف کرگزرو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔ پھر (اس چیلنج کے بعد بھی) اگر تم منہ موڑو تو میں تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا، میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے، مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو ساڑے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ (العنکبوت۔ ۱۴)

جب قوم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی تو فرمایا۔ "اے میرے ربّ! میں اپنی قوم کو رات

اور دن بلاتا رہا لیکن وہ تو بھکتے ہی چلے گئے۔ انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، کپڑے اوڑھ لئے، ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے، بلکہ تکبر بھی بہت کیا، پھر میں نے ان کو ظاہر میں بھی بلایا اور چھپ کر بھی بلاتا رہا اور ہر طرح سمجھاتا رہا، وہ بڑی بری چالیں چلے، لیکن ان کے اکابر بزرگوں نے یہی کہا۔ ہرگز نہ چھوڑنا ودّ کو، نہ سواع کو، نہ یغوث کو، نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے تو تو ان کو اور گمراہ کردے۔ اے میرے رب! زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو اور گمراہ کریں گے اور جو ان سے اولاد ہوگی، وہ بھی بدکار ہوگی۔ تو ان ظالموں کو تباہ کردے (تلخیص، نوح۔ ۵ تا ۲۸)

اس بد دعاء دینے سے پہلے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو للکارا بھی تھا۔ اے میری قوم! میرا مقام اور میری نصیحت تم پر گراں گزرتی ہے تو میں اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ تم اپنے ساتھیوں کو جمع کرلو اور اپنی مدد کے لئے جس جس کو چاہو بلالو، پھر میرے خلاف جو کرنا چاہو، کرلو، تمہاری تدبیر کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہ رہ جائے اور مجھے ذرا سی مہلت بھی نہ دو پھر بھی اگر تم مجھ سے منہ موڑو تو میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ بس، مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کروں۔" لیکن پھر بھی قوم نے یہی کہا۔ اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا ہے اور جھگڑا بھی بہت کیا ہے، اب اس جھگڑے کو ختم کرو اور جس عذاب کی تم ہم کو دھمکی دیتے ہو، تم اگر سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ لیکن پھر بھی ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ (تلخیص، ھود۔۳۲۔۳۴)

ان آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا داعی کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کی صداقت کو جانچنے کا معیار ہی یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے کام کو جاری رکھتا ہے اور کوئی اس کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

اپنی قوم کو اتنا بڑا چیلنج صرف اللہ کا داعی دے سکتا ہے اور جب وہ کسی کو چیلنج کرتا ہے تو وہ چیلنج حق کی سب سے بڑی دلیل بن جاتا ہے کیوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ پر توکل ہوتا ہے اور توکل صبر ہی سے پرورش پاکر ایمان کو عروج پر بلکہ عرش تک پہنچا دیتا ہے، پھر کیا ہوتا ہے؟ اللہ کا عذاب آتا ہے۔

الغرض، اللہ کا داعی ہر حال میں دلیل پر قائم رہتا ہے اور دلیل چونکہ ایک ذہنی چیز ہوتی ہے اس لئے ظاہر پرست انسان اس کی عظمت کو سمجھ نہیں پاتا۔ وہ ذہنی طور پر مغلوب ہونے کے باوجود اس کے آگے جھکنے سے انکار کردیتا ہے اور یہی تو تکبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" ایک شخص نے

کہا۔ "مہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو تو؟" آپ نے فرمایا۔ "اللہ خوبصورت ہے (اور) خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو یہ ہے کہ انسان حق کو تسلیم نہ کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے (صحیح مسلم کتاب الایمان)

جو دلیل کو ماننے سے انکار کرتا ہے، وہ حق کا اعتراف نہیں کرتا اور اس کی وجہ محض تکبر ہوتی ہے اور تکبر اور کفر کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں یعنی حق کو ماننے سے انکار کرنا جس کا فطری نتیجہ مایوسی ہے۔ اسی لئے اللہ کا داعی کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو ہی نہیں سکتا۔ یعقوب علیہ الصلوٰۃ و السلام فرماتے ہیں۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ، اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف - ۸۷)	اے میرے بیٹو! جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کی خبر معلوم کرو، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امید تھی کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں کہیں بھی ہوں گے خیریت سے ہوں گے کیوں کہ انہیں علم تھا کہ جو خواب یوسف نے بچپن میں دیکھا تھا، اس کی تعبیر ضرور واقع ہوگی۔ وہ اپنے اس علم اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی بنا پر رنج و غم کے باوجود مطمئن تھے اور اسی اطمینان اور امید کی بنا پر انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ یوسف اور اس کے بھائی کی خبر لاؤ۔

یہ ہے اللہ کا داعی، جو اللہ تعالیٰ کے اشاروں کی بنیاد پر صبر کرتا رہتا ہے، استقامت اختیار کرتا ہے، ثابت قدم رہتا ہے اور ہر حال میں مطمئن رہتا ہے اور اسی طرح طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا کیوں کہ مایوسی کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ بار بار اپنے داعی کو تسلی دیتا ہے کہ میں ہی تمہارا ولی اور کارساز ہوں، تم مجھ ہی پر بھروسہ کرکے اپنا کام کئے چلے جاؤ اور مخالفین کی مخالفتوں، رکاوٹوں اور اذیت رسانی کے آگے نہ جھکو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○ (نٓ - ۸، ۹)	(اے رسول!) آپ (ان) جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیئے۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ آپ نرم پڑجائیں تو یہ بھی نرم پڑجائیں۔
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ، وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (احزاب - ۳)	(اے نبی) اللہ ہی پر بھروسہ کیجئے کہ کارسازی کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔
فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ	(اے رسول!) کافروں کے اس قول کی وجہ سے کہ

ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ، اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○

(هود ـ ١٢)

ان پر خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا سینہ تنگ ہوجائے اور جو کتاب آپ پر وحی کی جارہی ہے، اس میں سے کچھ حصّہ آپ (بیان کرنا) چھوڑ دیں۔ آپ تو بس ڈرانے والے ہیں (منوانا آپ کا کام نہیں) اللہ ہر چیز پر نگراں ہے۔ (وہ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ، وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(هود ـ ١٥، ١٦)

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوتے ہیں تو ہم ان کو ان کے اعمال کا صلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیتے ہیں، ان کے صلہ میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جاتی (لیکن) ایسے لوگوں کے لئے آخر میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں۔ جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے تھے، سب رائیگاں گئے اور جو کچھ وہ دنیا میں کرتے رہے تھے، سب باطل و بے سود تھا۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ، يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ، مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ○

(هود ـ ٢٠)

یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے اور نہ (آخرت میں) اللہ کے علاوہ ان کا کوئی کارساز ہوگا (وہاں) ان کو کئی گنا عذاب دیا جائے گا (وہ محض اس وجہ سے کہ دنیا میں ان کو حق بات) سننا گوارہ نہ تھی اور نہ ان کو (راہ حق) دیکھنا گوارا تھا۔

اللہ کے داعی کو انہوں نے جھٹلایا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس کو سمجھنے سے عاجز تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حق کے بارے میں سنجیدہ نہ تھے۔ قیامت کی ہولناکی اچانک انہیں سنجیدہ بنادے گی۔ اس وقت وہ اپنی بے بسی کے ماحول میں اس بات کو پوری طرح سمجھ لیں گے کہ جس کو وہ دنیا میں اپنی آزادی کے ماحول میں سمجھ نہیں پائے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی اعلیٰ صلاحیتیں دی ہیں کہ اگر وہ انہیں استعمال کرے تو وہ ہر بات کو اس کی گہرائی تک سمجھ سکتا ہے۔ وہ اپنے دنیوی معاملات میں واقعتہً ایسا ہی ثابت ہوتا ہے مگر

آخرت کے معاملہ میں اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کان رکھتے ہوئے بہرا بن جاتا ہے اور آنکھ رکھتے ہوئے اندھے پن کا ثبوت دیتا ہے۔

آدمی کی کامیابی اس کی سنجیدگی کی قیمت پر ہے۔ جو لوگ دنیا کے معاملے میں سنجیدہ ہوں، وہ دنیا میں کامیاب رہتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ ہوں گے، وہ آخرت میں کامیاب رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ، وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ٥
(محمد - ۳۵)

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو) کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو اور نہ (کافروں کو) صلح کی طرف بلاؤ (بلکہ جم کر لڑو) تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے (فتح دینے والا وہی ہے، اسی پر بھروسہ کرو) وہ تمہارے اعمال (اور تدبیر کے نتائج) کو ہرگز کم نہیں کرے گا (تمہاری جدوجہد بے کار نہیں جائے گی، اللہ تمہاری کوشش کو تمہاری فتح کا سبب بنادے گا)

یہ آیت اللہ کے داعی کے لئے نہ صرف تسلی کا ذریعہ ہے بلکہ خود اعتمادی پیدا کرنے کا سبب بھی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے داعی کو یہ یقین دلایا ہے کہ اگر وہ استقامت اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا اور نتیجۃً وہی کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو فتح و کامرانی عطاء فرمائے گا کیوں کہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت اپنے دین کی اشاعت اور حفاظت اس عالمِ اسباب کے تحت انسانی گروہ کے ذریعہ انجام دینا چاہتا ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے اس دینی فریضہ کو انجام دیتے رہیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سُرخرو ہوکر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے دین کے تسلسل کو جاری رکھنا چاہتا ہے اور اسی اصول کے تحت اپنے مخلص بندوں سے کام لیتا ہے۔ اب ہم کو چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کے مخلص بندے ثابت ہوجائیں اور اس کی مدد کے مستحق بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ٥
(محمد - ۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری ضرور مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

ایمان لانا گویا اللہ تعالیٰ کے لئے جینے اور مرنے کا سودا ہے۔ جو لوگ اس سطح پر اللہ کے داعی بن جائیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو دنیا میں بھی غلبہ عطاء کرے گا۔ اس کے

لئے ضروری ہے کہ وہ صبر و جہاد کی سطح پر اپنے سچے ہونے کا ثبوت دیں۔ جب اللہ کا داعی ہر قسم کے حالات کے باوجود اپنے دعوتی عمل پر کاربند رہتا ہے تو وہ اپنے مشن کے حق میں اپنے یقین کا ثبوت دیتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات رکھے ہیں کہ اللہ کی راہ میں اللہ کے داعی کے لئے مشکلات اور رکاوٹیں پیدا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ یہ معلوم کرلے کہ کون اپنے اظہار دین میں سنجیدہ ہے اور کون غیر سنجیدہ۔

دنیا کے تقاضے اور سماجی حالات کا دباؤ، یہ ایسے محرکات ہیں جو انسان کو گھیر کر رکھتے ہیں۔ جو لوگ ناموافق حالات کے باوجود نہ بدلیں، یہی لوگ اللہ کے داعی ثابت ہوتے ہیں۔

واقعات کو ظہور میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر ان واقعات کو ظہور میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ایسے بندے درکار ہیں جو ان واقعات کے مطابق کردار ادا کریں۔ جب ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لئے اٹھتا ہے، یہاں تک کہ وہ حق کے حق ہونے کو آخری حد تک ثابت کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے واقعات ظہور میں آتے ہیں کہ وہ گروہ لازماً باطل پرستوں پر غالب آجاتا ہے، بشرطیکہ وہ گروہ اپنے مشن پر ڈٹا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دم ایسے گروہ کی نصرت کے لئے تیار رہتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو باطل پرستوں سے انتقام لے سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اپنے داعی کو آخری حد تک آزمائے اور اس آزمائش میں جو پورے اتریں ان کو ابدی نعمتوں والی جنت میں داخل کرلے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○
(آل عمران - ۱۴۲)

(اے ایمان والو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں یونہی داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ معلوم ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد و جدوجہد کرنے والے ہیں اور کون ثابت قدم رہنے والے ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ○
(محمد - ۳۱)

اور (اے ایمان والو!) ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے، یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد و جدوجہد کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو (ان کے عمل سے) نہ جان لیں اور تمہارے حالات کی جانچ نہ کرلیں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ (العنکبوت - ۲)

کیا ان لوگوں نے (اپنے خیال سے) یہ سمجھ لیا ہے کہ انہیں بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ "ہم ایمان

لے آئے " اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " دوزخ شہوات سے ڈھانک دی گئی ہے اور جنت ناگوار باتوں سے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق و صحیح مسلم کتاب الجنۃ)

ان آیات و حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ کے داعی کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد یقینی ہے اور جنت کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی آزمائش، قربانی اور ناگوار باتوں سے گزرنا پڑے گا اور ان سب کو صبر و استقامت اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا پڑے گا۔ یہی وہ سودا ہے جو آپ نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے۔ کیا اس سودے سے آپ مطمئن نہیں؟ اگر ہیں تو یہی آپ کے لئے سب سے بڑی تسلی ہے، ورنہ اس دنیا کی حدوں سے نکل کر آپ جہاں چاہیں چلے جائیں، آپ کو کہیں بھی تسلی نہیں ملے گی۔ تکبر کفر ہے اور مایوسی کا پیش خیمہ، چنانچہ جو بھی مایوس ہوا، اس نے یقیناً تکبر یا کفر کیا۔

انسانیت

دین کے بارے میں یہ تصور کے وہ صرف آخرت ہی کی آگ سے بچاتا ہے، ادھورا تصور ہے۔ آگ صرف آخرت ہی کی نہیں ہوتی، اس دنیا میں بھی انواع و اقسام کی آگیں بھڑکتی رہتی ہیں، جن سے اگر بچنے کی کوشش نہ کی جائے تو وہ جسم و جان، دونوں کو جلاکر خاک کر دیتی ہیں۔

جو لوگ فسق و فجور اور بداعمالیوں سے باز نہیں آتے، انہیں آخرت میں جو سزا ملے گی، وہ تو ملے گی ہی، لیکن اس دنیا میں بھی وہ رسوائی کا نشانہ اور جان لیوا بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

جہاں دولت ہی معبود بن جائے، وہاں حرص و لالچ کی ایک مستقل بے چینی کی بو ابھرتی ہی رہے گی۔ وہاں راشی افسر، بددیانت منصف، خائن تاجر، خود غرض حکمراں اور بے وفا عوام یہ سب ایک دوسرے کی زندگی کو ناگوار اور اجیرن کرتے رہیں گے پھر طاقت والے کا مقابلہ طاقت والا ہی کر سکتا ہے، اگر کمزور کرے گا تو مارا جائے گا۔

جہاں لوگ اپنے دلوں میں حسد اور کینے پالیں گے اور ایک دوسرے کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے وہاں باہمی دشمنی ایک دوسرے کو لڑاتی رہے گی اور دشمن ان کی نااتفاقیوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

فرد کی انفرادی زندگی پر بھی گناہوں کے اثرات بہت گہرے پڑتے ہیں۔ آج یہ امر ایک ثابت

شدہ حقیقت ہے کہ جسم اور دماغ ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ ہمارا دماغ ہمارے جذبات کا مرکز ہے اور جذبات کے اثرات ہمارے جسم پر برابر پڑتے رہتے ہیں۔ ایک مغرور شخص کو ہی دیکھ لیجئے، اس کے اعصاب میں کس درجہ کا تناؤ پیدا ہوتا ہے، ایک غیظ و غضب میں مبتلا شخص کو ہی دیکھ لیجئے، کس طرح اس کے دوران خون میں جوش پیدا کرتا ہے اور اس کے قلب کو متاثر کرتا ہے۔ ایک لالچی اور حریص کو ہی دیکھ لیجئے، اس کو موقع ملتے ہی آپ کو گھن کی طرح کھا جائے گا اور جگر کی خرابی کی وجہ سے اس کے چہرہ پر زردی چھا جائے گی۔ ذرا حاسد کے حسد اور نفرت کو ہی دیکھ لیجئے، کس طرح اس کے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور اس کو جسمانی اعتبار سے کسی کام کا نہیں چھوڑتا۔ الغرض، آپ اپنے ذہن کو غلط قسم کے جذبات سے پاک کئے بغیر اپنی جسمانی صحت کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔

اچھے جذبات درحقیقت ہمارے جسم کے لئے صحیح قسم کے ایندھن کا کام کرتے ہیں۔ اگر آپ کے اندر ہمدردی، رحم، عفو و درگزر، صلح رحمی اور حسنِ ظن جیسی اعلیٰ صفات موجود ہیں تو گویا آپ کے جسم میں بہت عمدہ قسم کا ایندھن موجود ہے اور آپ کا جسم خراب ہوئے بغیر آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچادے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہماری بیماریوں کے اسباب میں ہماری رذیل خصلتوں کا بہت بڑا دخل ہے۔

کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کرنا چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ ہم پر ذلت مسلط نہ کردے اور کسی قوم میں فواحش پھیل جائیں اور اللہ تعالیٰ اس قوم کو مصیبت میں مبتلا نہ کرے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝
(الروم - ۴۱)

لوگوں کی بد اعمالی کی وجہ سے خشکی اور تری میں (غرض یہ کہ ہر جگہ) فساد پھیل گیا ہے (اور یہ حالت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے) کہ اللہ ان کو ان کی بعض بد اعمالیوں (کی سزا) کا مزا چکھائے تاکہ وہ (سنبھل جائیں اور آئندہ کے لئے اپنی بد اعمالیوں سے) باز آجائیں۔

یہ سزا قحط سالیوں، آندھیوں، خونریزی، اور بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر پھر بھی لوگ باز نہیں آتے تو ایک بڑے ہلاکت خیز عذاب کے ذریعہ انہیں نیست و نابود کردیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ

(اے رسول!) آپ ان سے کہہ دیجئے، زمین کی سیر و

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ، كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝ (الروم - ۴۲)

سیاحت کرکے دیکھ لو، ان لوگوں کا کیا انجام ہوا (جو تم سے) پہلے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگ مشرک تھے۔

اگر انسان اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا الٰہ بنالے تو سب کا مرکزِ توجہ ایک ہوجاتا ہے۔ اس سے انسانوں کے اندر اتحاد کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی الٰہ بنالیا جائے تو بے شمار چیزیں مرکزِ توجہ بن جاتی ہیں، پھر انسانوں کے جذبات بکھر جاتے ہیں، قوم پرستی کے جذبات ابھر آتے ہیں، پھر عناد اور اختلاف پیدا ہوتا ہے اور خشکی اور سمندر، ہر جگہ فساد سے بھرجاتے ہیں۔ یہ شرک کی وہ وباء ہے جس سے جذبات کو پراگندہ کرنے والی فضاء تیار ہوتی ہے گویا تکبر، غصہ، کینہ، حسد، نفرت، حرص، رشوت، بخل اور اختلاف جیسے تمام رزائل، شرکِ خفی کے وہ جرثومے ہیں جو نظر نہیں آتے۔

جب کوئی بچہ ہاتھ میں چاقو یا کانچ کا ٹکڑا پکڑ لیتا ہے تو دیکھنے والے سب بے قرار ہوجاتے ہیں کہ کہیں وہ اپنے آپ کو زخمی نہ کرلے۔

یہ فسق و فجور اور بد اعمالیاں، یہ عریانیاں اور فحاشیاں، یہ طمعِ زر اور خیانتیں، یہ باہمی عداوتیں اور نااتفاقیاں، یہ اللہ سے بے پرواہی اور شیطان سے وفاداریاں، یہ سب چاقو اور کانچ کے ٹکڑے ہی تو ہیں جنہیں پکڑ کر انسان اپنے آپ کو زخموں سے چور کئے جارہا ہے۔ جنہیں واقعی انسان سے محبت ہوگی، وہ ان چاقوؤں اور کانچ کے ٹکڑوں کو چھیننے کی ضرور کوشش کرے گا۔ یہی انسان کی وہ مسخ شدہ فطرت ہے جس کو انسانیت کہا جاتا ہے۔ انسان کو انسان سے محبت ختم ہوچکی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی سے محبت اور تعلق باقی نہ رہا تو انسانیت کا تو پوچھنا ہی کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ آپ انسان کو راہِ راست پر لانے کی اور بد اعمالیوں کے برے انجام سے بچانے کے لئے کس قدر بے چین اور بے قرار رہا کرتے تھے۔ اس معاملے میں آپ کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالیٰ آپ سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے:۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ۝ (الشعراء - ۳، ۴)

(اے رسول!) اس رنج و غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں۔ اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی [illegible]

آتے لیکن ایسا ایمان ہمیں منظور نہیں)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف - ٦)

(اے رسول!) اگر یہ لوگ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے تو شاید آپ ان کے لئے رنج و غم کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے (اے رسول! آپ کو رنج و غم کرنے کی ضرورت نہیں)

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ (فاطر - ٨)

تو (اے رسول!) ان پر افسوس کرتے کرتے کہیں آپ کی جان پر نہ بن جائے جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے (خوب) واقف ہے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا، اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (یونس - ٩٩)

اور (اے رسول!) اگر اللہ چاہتا تو زمین میں جتنے انسان ہیں، سب ایمان لے آتے (لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر ایمان لانے کے لئے جبر نہیں کرتا) تو (اے رسول!) کیا آپ جبر کرکے ان سب کو مؤمن بنانا چاہتے ہیں؟

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے پیکر تھے، آپ انسانوں کے زبردست خیر خواہ تھے۔

اللہ کا داعی اگر دعوت کے معاملے میں اس قدر سنجیدہ ہو تو شدّتِ احساس سے اس کا یہی حال ہوجاتا ہے۔ دعوتی عمل انتہائی خیر خواہی کے جذبہ سے ابھرتا ہے، اس لئے جب داعی دیکھتا ہے کہ اس کا مخاطب اس کے پیغام کو نہیں مان رہا تو وہ اس کے غم میں اس طرح ہلکان ہونے لگتا ہے جس طرح ماں اپنے بچّہ کی بھلائی کے لئے ہلکان ہوجاتی ہے۔ اللہ کے داعی کے لئے انسانیت کا یہی معیار مطلوب ہے۔

باہمی تعلقات

ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ باہمی نا اتفاقی جہاں کہیں بھی ہوگی، تباہی کا پیغام لائے گی لیکن جب یہ نا اتفاقی دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے درمیان پیدا ہوجاتی ہے تو یہ شیطان کی اتنی بڑی فتح بن جاتی ہے کہ وہ اپنی اس کامیابی پر جتنا نازاں ہو کم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور (اے ایمان والو!) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم

وَاصْبِرُوْا، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (الانفال ـ ۴۶) بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبرواستقامت اختیار کرو، بیشک اللہ صبر و استقامت اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اختلاف نہ کیا کرو، اس لئے کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے اختلاف کیا تھا تو وہ ہلاک ہوگئے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

کامیابی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ اسباب کے پردہ میں آتی ہے۔ مسلمین اگر اپنے ممکنہ اسباب کو جمع کردیں تو بقیہ کمی اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے پوری کرکے انہیں کامیابی عطاء فرماتا ہے۔

وہ اسباب کیا ہیں ؟ مسلمین اقدام میں پہل نہ کریں، اپنی جڑوں کو مضبوط کرنے میں لگے رہیں۔ جب ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوجائے تو اس کے مقابلے میں پوری طرح جہاد کا ثبوت دیں، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں تاکہ ان کا قلبی حوصلہ باقی رہے، امیر کے حکم کے تحت پوری طرح منظم رہیں، باہمی اتحاد سے حریف کو مرعوب کردیں، صبر و استقامت اختیار کریں تاکہ جوش کے بجائے ہوش کو اپنائیں۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کے پردہ میں اللہ کی مدد آتی ہے۔ اختلاف ایک ایسا خلل ہے جو ان تمام اسباب کو سمیٹ کر رکھ دیتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں جو طرح طرح کی آفتیں آتی ہیں، ان میں سے یہ آفت بہت بڑی ہے کہ اس راہ کے راہی آپس میں ایک دوسرے سے بدظن ہوجائیں۔ جب یہ صورت پیدا ہوجاتی ہے تو پھر وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف پوری توجہ دینے کے بجائے ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہوکر اس ذوقِ فضول میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو برسرِ حق اور دوسرے کو غلط ثابت کریں۔

اس طرح باہمی بدظنیوں میں اپنی قوتیں اور اسباب ضائع کرتے ہوئے بھی اس راہ کے راہی یہی سمجھتے رہے ہیں کہ وہ اللہ کے داعی ہیں حالانکہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے بہت دور ہوجاتے ہیں۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے میرے رب !

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ "مجھے اس دن تک کے لئے، جس دن (مُردے قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، مہلت دے" (اللہ نے فرمایا) "۔ تجھے مہلت دی جاتی ہے" (شیطان نے کہا۔ "

الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ، وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝
(الاعراف - ۱۴ تا ۱۷)

جیسا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں بھی ان لوگوں (کو گمراہ کرنے) کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر (یعنی تیرے دین کے قریب) بیٹھ جاؤں گا، پھر (جو تیرے دین پر ہوں گے) میں ان کے پاس ان کے سامنے سے بھی، ان کے پیچھے سے بھی، ان کے دائیں سے بھی اور ان کے بائیں سے بھی آؤں گا (اور انہیں تیرے دین سے ہٹادوں گا) پھر تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔"

شیطان اللہ کے داعی کے ساتھ معاملہ کرتے وقت ایک ماہر نفسیات کا رویّہ اختیار کرتا ہے، اس کام کے لئے وہ اپنے انسان دوستوں سے بھی کام لیتا ہے اور ہر اللہ کے داعی کو اپنے ڈھب پر لانے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ یہ انسان کس ڈھب کا ہے اور اس کی کون سی رگ کمزور ہے جسے پکڑ کر اسے قابو میں لایا جاسکے جو لوگ آسانی سے کفرو الحاد اور فسق و فجور کی طرف آسکتے ہوں، ان کو تو وہ انہیں راہوں کے ذریعہ دین سے دور بھگا دیتا ہے مگر جو لوگ اپنے عقائد و اعمال کی پختگی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے باعث اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں، ان کے لئے وہ ایسے پھندے تیار کرتا ہے جن کی ظاہری شکل دین داری ہی سے مشابہ ہوں۔ کیا ہم دیکھتے نہیں کہ توحید پر ایمان رکھنے والے قبروں پر جا جاکر سجدہ کرتے ہیں اور سمجھتے یہی ہیں کہ وہ بڑی دین داری کا کام انجام دے رہے ہیں لیکن شیطان کے لئے اللہ کے داعی کو گمراہ کرنا آسان نہیں ہوتا، اس لئے وہ اس کی طرف سے زیادہ فکر مند رہتا ہے اور اس کی کمزوریوں کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے پھر موقع دیکھ کر وہیں سے پھندہ ڈالتا ہے۔ اس کا مقصد کسی نہ کسی طرح دعوتِ دین کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایسے چکر چلاتا ہے جس سے اللہ کے داعی کی توجہ اور وقت کو خدمتِ دین کے کام سے ہٹاکر دوسری طرف کراسکے اور ان چکروں میں سب سے بڑا چکر یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف بدظنی یا کدورت پیدا کردے۔ بدظنی کی بنیاد عموماً یہی ہوتی ہے کہ بعض داعی کو دوسرے داعی کے متعلق یہی شکایت ہوتی ہے کہ اس کا طرزِ عمل دین کے احکام کے مطابق نہیں۔ مثلاً ایک داعی جب دوسرے داعی سے مصافحہ کرتا ہے تو وہ مغفرت کی دعاء پڑھنا بھول جاتا ہے یا اس سے جب الگ ہوتا ہے تو سلام کرنا بھول جاتا ہے یا جوتا اتارتے وقت پہلے سیدھے پیر کا اتار لیتا ہے۔

کیا یہ لازمی ہے کہ نیک نیت اور مخلص لوگ بھی ان بدظنیوں اور باہمی مخالفت کا شکار ہوکر

رہ جائیں؟ ایک انسان کسی دوسرے انسان کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ تو صرف اس کے ظاہری اعمال سے ہی یہ اندازہ لگاتا ہے اور ظاہری اعمال کے پیچھے کئی محرکات کام کر رہے ہوتے ہیں جو دیکھنے والے کو نظر نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل مند سے عقل مند کے اندازے بھی غلط ثابت ہوجاتے ہیں۔ انہیں بدگمانیوں کے باعث بڑے بڑے نیک نیت اور نیکو کار لوگ ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے، اس کا اثر براہ راست ان کی دعوتی سرگرمیوں پر پڑا۔ بد گمانیوں کے خلاف اگر بند نہ باندھا جائے تو صبح سے شام تک ایسی کئی باتیں ظہور میں آجاتی ہیں جو بدگمانی کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحجرات ـ ۱۲)

(اے ایمان والو!) بہت بدگمانی کرنے سے بچا کرو، اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، کسی کی عیب جوئی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ کیا تم کو اس بات سے کراہت (نہیں) آئے گی؟ اور دیکھو! اللہ سے ڈرتے رہو، (توبہ کرتے رہو) بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں تین باتوں کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ (۱) بدگمانی کرنا (۲) عیب تلاش کرنا اور (۳) غیبت کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ " بدگمانی سے بچو، بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے، کسی کا راز معلوم نہ کرو، کسی کا عیب تلاش نہ کرو، بولی پر بولی نہ لگاؤ۔ حسد، بغض اور تعلقات منقطع نہ کرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب الادب و صحیح مسلم کتاب البر)

ہوسکتا ہے بدگمانی سے کسی میں کسی عیب کو فرض کرلیا جائے اور وہ عیب اس میں نہ ہو۔ بدگمانی کرنے سے بلاوجہ بے بنیاد بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے، تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ اگر کسی طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہو تو براہ راست اس سے وضاحت طلب کرلی جائے۔ وضاحت طلب کرنے سے عموماً یہ ثابت ہوتا ہے کہ بدگمانی بے بنیاد تھی۔

علی بن الحسینؓ کہتے ہیں:۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے اور آپ کے پاس آپ کی بیویاں تھیں۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ نے حضرت صفیہؓ سے فرمایا:۔ "جلدی نہ کرو یہاں تک کہ

میں تمہارے ساتھ ہوجاؤں۔" ان کی رہائش اسامہ ابن زیدؓ کے گھر میں تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہولئے راستہ میں دو انصاری ملے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پھر آگے بڑھ گئے۔ آپ نے ان دونوں کو پکارا اور بلایا، پھر فرمایا۔ "یہ (میری بیوی) صفیہ بنت حی ہیں" وہ کہنے لگے۔ "سبحان اللہ، اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ پر بدگمانی کریں گے؟" آپ نے فرمایا۔ "شیطان انسان کے جسم میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں وسوسہ نہ ڈالے (صحیح بخاری کتاب الصوم)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیب جوئی سے بھی منع فرمایا ہے۔ کسی کے عیب تلاش کرنا اچھی نیت سے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں عموماً بری نیت ہی شامل ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس شخص کے عیب کو لوگوں پر ظاہر کرکے اس کو رسوا اور ذلیل کیا جائے۔

تیسری چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حرام قرار دیا وہ غیبت ہے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم جانتے ہو، غیبت کیا ہے؟" لوگوں نے کہا۔ "اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اسی طرح کرو کہ (اگر وہ سامنے ہو) تو اس کو ناگوار گزرے" کسی شخص نے کہا۔ "اے اللہ کے رسول! اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو؟" آپ نے فرمایا۔ "جو تم کہہ رہے ہو، اگر و (عیب) اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ (عیب) اس میں موجود نہیں ہے تو تم نے (اس پر) بہتان لگایا۔" (صحیح مسلم کتاب البر)

باہمی تعلقات میں بہت سی خرابیاں صرف اس وجہ سے آتی ہیں کہ ہم اپنی زبانوں کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں۔ غیبت کرنا، چغلی کھانا، بہتان لگانا، لوگوں کو برا بھلا کہنا، کسی کا مزاق اڑانا، کسی کو طعنہ دینا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جو باہمی تعلقات میں افتراق اور دشمنی پیدا کرتی ہین اور ان سب کے اظہار کا ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔ اگر انسان ایک زبان ہی کو لگام دے تو خرابی کے بہت سے دروآزے بند ہوجائیں، لیکن شیطان دینداری کا فریب دے کر ہی دین کے خلاف عمل کرواتا ہے۔ مثلاً

کوئی پرہیزگار کہتا ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ زید نے باوجود اللہ کا داعی ہونے کے گانے بجانے کی محفل میں شرکت کی۔ پھر اس کو نہایت افسوس ہوتا ہے اور اس کا ذکر وہ دوسرے لوگوں میں کرتا ہے۔

جب کوئی شخص، کسی کے بارے میں بدگمان ہوجائے تو اس کی ہر بات اس کو غلط معلوم

ہونے لگتی ہے۔ اس کے بارے میں اس کا ذہن منفی رخ پر چل پڑتا ہے، پھر اس کی خوبیوں سے زیادہ وہ اس کے عیب تلاش کرنے لگتا ہے۔ اس کی برائیوں کو بیان کرکے اسے بے عزت کرنا اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ہر جگہ اس کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہتا ہے۔

دل کی بھڑاس

دل کی بھڑاس نکالنا انسان کا ایک فطری جذبہ ہے۔ انسان بعض چیزوں یا افراد سے ناگواری محسوس کرنے کے بعد اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ کئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ مثلاً غصہ کا اظہار، بدکلامی، عیب جوئی، غیبت وغیرہ۔ یہی جذبہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ دوسروں پر الزام لگائے اور ان کی کوتاہیوں کو بڑھا چڑھاکر بیان کرے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کی وجہ سے انسان قِسم قِسم کی اخلاقی کمزوریوں اور جھگڑوں میں مبتلا ہوجاتا ہے جو دوسروں کے دلوں میں خلش پیدا کردیتی ہے اور پھر باہمی تعلقات خراب ہوجاتے ہیں۔

یہ نہایت آسان کام ہے کہ آپ کسی کوتاہی کا الزام دوسروں پر رکھیں لیکن اپنے آپ کو ان کے مقام پر رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لینا نہایت مشکل کام ہے۔ اگر آپ ایسا کرسکیں تو آپ یہ محسوس کریں گے ۸۰ فیصد الزامات جو آپ دوسروں پر لگاتے ہیں، اس کی کوئی نہ کوئی معقول تاویل آپ خود تلاش کرلیں گے اور اس طرح حالات کا جائزہ لینے سے آپ اپنے لئے اصلاح کی راہیں آسان کرلیں گے۔ اس سے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسروں کی نکتہ چینی اور اس کی وجہ سے ان سے دور ہونے کا آپ کو جو ڈر ہے، وہ ختم ہوجائے گا۔ آپ دوسروں کی کوتاہیوں کا جائزہ اس طرح لیں کہ گویا خود اپنے آپ کو ان کے مقام پر رکھ کر غور کر رہے ہیں، تو ان کی اصلاح کے لئے کوئی طریقہ ضرور نکل آئے گا، گویا آپ خود اپنی اصلاح کی طرف مائل ہیں۔ اس طرح دوسروں کی اصلاح کے سلسلے میں جو خلوص اور ہمدردی آپ کے رویہ میں پیدا ہوگی، وہ یقیناً قیمتی اور مؤثر ہوگی اور اس طرح امید ہے کہ ان سے آپ کے تعلقات ہمیشہ درست رہیں گے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو ایک مقصد عزیز ہے۔ آپ لوگوں کے دلوں کو اپنے قریب لانا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنی کوتاہیوں اور عیوب پر نظر رکھ سکتے ہیں، ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں، اپنے نفس کی خواہشات کو دباسکتے ہیں اور اپنے جذبات کو کچل سکتے ہیں لیکن آپ کا مخاطب تو اپنے سامنے کوئی بلند مقصد نہیں رکھتا۔ آپ کو جو کام کرنا ہے، انہیں لوگوں میں کرنا ہے جو مختلف نظریات اور مختلف مزاج رکھتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کی بات منطق اور دلیل کے اعتبار سے

سو فیصد درست ہو لیکن اس کے باوجود آپ کی یہ خواہش کہ آپ کا مخاطب بھی اسے اسی طرح مان لے، جس طرح آپ اس کو منوانا چاہتے ہیں، کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں سے آپ کا واسطہ ہے، وہ اپنے آباء و اجداد کی پرانی باتوں اور اپنی روایات سے اندھی محبت رکھتے ہیں۔ اگر آپ کی روش نے ان کے جذبات کو بھڑکا دیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے خود اپنے کام کو اپنے ہاتھوں سے برباد کردیا۔ آپ کو یہ اچھی طرح خیال رکھنا چاہیئے کہ آپ کوئی ایسی صورت اختیار نہ کر بیٹھیں کہ جس سے دوسروں کے اندر چھپے ہوئے تعصب اور ہٹ دھرمی کے جذبات ابھر آئیں۔ ممکن ہے آپ سے ایسی کوئی غلطی سرزد ہوجائے اور بار بار ہوتی رہیں لیکن آپ اپنے ہر عمل اور ردِّعمل پر نظر رکھیں گے تو آپ کی ہر غلطی آپ کے تجربہ میں ایک نیا اضافہ کرے گی اور آپ ان نتائج کو مرتّب کرتے رہے تو خود اپنے لئے نہایت مفید اور عملی مشورے اکٹھا کر لیں گے۔

دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہر اس شخص کے لئے نہایت ضروری ہے جو جذبات، خیالات اور رائے کے اظہار سے دوسروں پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہو۔

رحمت کا نشان

ہر شخص کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کے تعلقات دوسرے لوگوں سے اچھے رہیں، لوگوں کی نظروں میں اس کا مقام بلند رہے اور اس کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا جائے۔ دوسروں کی نظروں میں گرجانا ہر شخص کو ناپسند ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ جن لوگوں میں وہ رہتا ہے، ان سے بدمزگی رہے۔ غرض یہ کہ ہر شخص کو یہی پسند ہے کہ اس کے تعلقات کا دائرہ وسیع تر ہو اور لوگ اس کے بارے میں اچھی رائے رکھیں۔ تعلقات کی وسعت اور خوشگواری ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے۔

لیکن ایک مردِ مؤمن جس نے اپنی زندگی کا مقصد پہچان لیا ہو، جو دنیا سے کہیں زیادہ آخرت کی کامیابی کا خواہش مند ہو، جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اس کے دین پر قائم رہنا چاہتا ہو، اسے معلوم ہوچکا ہو کہ اس کے مالک نے اسے اس ڈیوٹی پر لگایا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دے اور اس دنیا میں ایک ایسا ماحول اور ایسا معاشرہ وجود میں لائے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی ہو، اس کے لئے تعلقات کی وسعت اور خوشگواری کی ضرورت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

جس شخص نے یہ فیصلہ کرلیا ہو کہ وہ لوگوں کے دلوں کو بدلے گا، ان کے سوچنے کے انداز کو

بدلے گا اور ان کی پسند اور ناپسند کے معیار کو بدلے گا، غرض یہ کہ وہ انسان کی زندگی کے ہر خانہ میں نئے نئے رنگ بھرے گا۔ اس کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ اس بات سے کوسوں دور رہے جس سے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں یا لوگ قریب آنے کے بجائے دور بھاگتے ہیں۔

اللہ کے دین کو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی کردینا کوئی ایسا کام نہیں جو طاقت اور قوت کے سہارے ہوجائے بلکہ یہ ایک نہایت مستقل کام ہے۔ دوسروں کو جھکا لینا آسان ہے لیکن ان کے دلوں کو مٹھی میں لینا اور ان کے سوچنے کے انداز کو بدل ڈالنا بڑا کٹھن کام ہے۔ چیز ایک ہوتی ہے لیکن اس کی نوعیت اس کے استعمال کی غرض سے بدل جاتی ہے۔ اسی طرح تعلقات کی خوشگواری ایک دنیا دار کے لئے ایک حیثیت رکھتی ہے لیکن اللہ کے داعی کے لئے اس کی بڑی ہی اہمیت ہے۔ یہی وہ تلوار ہے جو رحمت کا نشان بن جاتی ہے۔ اللہ کے داعی کو انتہائی کوشش کرنی چاہیئے کہ لوگوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار رہیں۔

خود پسندی

ہر شخص اپنے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے۔ ایک عادی مجرم بھی اس خیال سے خالی نہیں ہوتا۔ آپ کسی قید خانہ میں جاکر کسی قیدی سے بات کیجئے۔ آپ ماننے پر مجبور ہوجائیں گے کہ حکومت نے کھلم کھلا ظلم پر کمر باندھ لی ہے اور اندھا دھند بے گناہوں کو قید خانہ میں بھردینے پر اتر آئی ہے لیکن یہ بات حقیقت کے مطابق نہیں ہوگی۔ غرض یہ کہ ہر مجرم اپنے جرم کے جواز کے لئے کوئی نہ کوئی معقول بہانہ رکھتا ہے۔

یہ تو حال ہے ان لوگوں کا جو عادی مجرم ہیں، جنہیں دنیا قصور وار سمجھتی ہے، پھر بھلا ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن سے ہمیں روز مرہ سابقہ پڑتا ہے، غرض یہ کہ ہر شخص اپنے بارے میں یہی رائے رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، وہی ٹھیک ہے۔

یہ انسان کے ذہن کی فطری کمزوری ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے قصور اور اپنے کاموں کو بالکل ٹھیک سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی شخص کو تنقید پسند نہیں۔ جب اسے کسی بات سے روکا جاتا ہے تو وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگتا ہے۔ اگر اس کے جواز کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے اندر ضد اور مقابلے کی کیفیت ابھرنے لگتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے بارے میں ایک نہایت ہی اچھی رائے رکھتا ہے۔

اب آپ کسی کی اصلاح کرنے کے لئے کیا صورت اختیار کریں گے؟ اکثر ایسا

ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو بے قصور سمجھے گا اور اس کے ذہن میں اپنی بے قصوری کو ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل ہوگی۔ اگر آپ اس پر تنقید کریں گے تو آپ کی اصلاح کی ہر کوشش اسے آپ سے دور کرتی چلی جائے گی اور آپ محسوس کریں گے کہ نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا گویا لوگوں سے اپنے تعلقات کو خراب کرلینا ہے۔ الغرض، رہے سہے تعلقات بھی ختم ہونے لگتے ہیں۔

یہ کس قدر پیچیدہ صورت حال ہے ؟ آپ تو چاہتے ہیں کہ لوگوں سے آپ کے تعلقات اور خوشگواری میں اضافہ ہو لیکن جب آپ دعوتی کام شروع کرتے ہیں تو رہے سہے تعلقات بھی ختم ہونے لگتے ہیں، خوشگواری کے بجائے بیگانگی کی صورت حال پیدا ہونے لگتی ہے، لوگ آنکھ بچاکر نکل جاتے ہیں پھر آپ مایوس ہوکر کہنے لگتے ہیں۔ "کیا فائدہ! خواہ مخواہ تعلقات خراب کرنے سے بھلا کہیں ایسے لوگ بھی سنا کرتے ہیں۔" گویا آپ اصلاح و تبلیغ میں سرد مہری کا رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

نہیں، نہیں، ایسا ہرگز نہیں ! بلکہ آپ کو یہ سوچنا چاہیئے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کرنے کے لئے آپ کو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے ؟ یہ مقام کیسے حاصل ہو ؟

سب سے پہلے انسانی ذہن کے اس فطری مرض کو سامنے رکھیئے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، پھر اس سے ذہنی قربت حاصل کیجئے اور اپنی گفتگو سے ایسی فضاء تیار کیجئے کہ آپ کا مخاطب کھل کر بے تکلفی سے اپنے دل کی بات آپ کے سامنے رکھنے لگے۔ اس کے درمیان آپ اس ٹوہ میں لگے رہیئے کہ اس کے اندر کچھ اچھی صفات بھی موجود ہیں یا نہیں ؟ ہر انسان میں کچھ نہ کچھ اچھی صفات ضرور ہوتی ہیں۔ آپ اس کی اچھی باتوں کی مناسب تعریف اور قدر کیجئے۔ اگر اس کو کوئی دکھ ہے تو اس کی دل سوزی کیجئے، اس کو کوئی تکلیف ہے تو اپنی وسعت کے مطابق اس کی مدد کیجئے یا کوئی حل پیش کیجئے ورنہ اس سے ہمدردی سے پیش آیئے۔ اگر آپ نے سلیقے سے کام لیا تو اس کا دل آپ کی طرف مائل ہوجائے گا اور وہ آپ کا گہرا دوست بن جائے گا۔ انسان اپنی اچھائیوں کی داد پانے کا انتہائی بھوکا ہوتا ہے اور اپنی تکلیف اور دکھ میں دل سوزی کا طلب گار ہوتا ہے۔ آپ کا یہ رویہ کسی نہ کسی حد تک اس کو یہ یقین دلادے گا کہ آپ اس کے مداح اور ہمدرد ہیں۔ اس کے بعد وہ آپ سے آنکھ بچاکر نہیں نکلے گا بلکہ آپ سے ملنے کے لئے آپ کے گھر آئے گا اور بار بار آپ سے ملاقات کرنا چاہے گا۔

اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کا مشورہ قبول کرلے گا اور نیکی

کی طرف قدم بڑھانے میں اس کے اندر ایک نئی طاقت اور حوصلہ پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

کسی انسان کے ذہن اور دل کو بدلنا کوئی آسان اور معمولی کام نہیں۔ اگر آپ بتدریج اور صبر و تحمل کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہے تو انشاء اللہ اس کو جلد صحیح راہ کی طرف ہدایت نصیب ہوگی۔ کسی شخص کو بلندی سے نیچے دھکیلنے کے لئے ایک دھکا کافی ہے لیکن کسی گڑھے میں گرے ہوئے انسان کو چوٹی تک اٹھاکر لے جانے کے لئے خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے، جب دعوت اور تبلیغ ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ نہیں ہوگی تو مؤثر بھی نہیں ہوگی۔ اس کے لئے تعلق اور ربط رکھنا ضروری ہے، اپنے مخاطب کے مسائل میں دلچسپی لینا ضروری ہے اور اس کے خیالات سے واقف رہنا بھی ضروری ہے تاکہ اس کی نفسیات کے مطابق اس کی الجھنوں کو دور کرنے کے بارے میں آپ سوچ سمجھ کر کوئی معقول حل پیش کرسکیں۔

دعوت اور تبلیغ کے اعتبار سے ہم میں سے اکثر لوگ اپنے قریبی ماحول میں سب سے زیادہ ناکام رہتے ہیں۔ خصوصاً گھر کا ماحول تو اس کام کے لئے بالکل بیگانہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں کو پہچاننے سے زیادہ دوسروں کے قصوروں پر نظر رکھتے ہیں، ان کی کمزوریوں کو دیکھ کر ان پر نکتہ چینی اور تنقید کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص ہماری کوتاہیوں پر گرفت کرے، ہم پر نکتہ چینی کرے تو یہ چیز ہمارے تبلیغی احساس کو ٹھیس پہنچاتی ہے اور اس طرح ہم اپنے گھروں، اپنے رشتہ داروں اور اپنے قرب و جوار میں تبلیغی احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتے ہیں لہٰذا ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ہم کو اپنے تبلیغی احساسِ کمتری کو دور کرنا ہوگا اور عملاً یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جن برائیوں کو ہم دور کرنا چاہتے ہیں، وہ ہم میں نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سلام، دعاء اور مل جل اور اس کے بعد تلقین و نصیحت اور پھر تبلیغ، گویا قرب و جوار کا ماحول اللہ کے داعی کے لئے بہترین تربیت گاہ ثابت ہوسکتی ہے اور وہ ان کے لئے بہترین مبلغ ثابت ہوسکتا ہے۔

انسان کا اپنے بارے میں یہ تصور کہ وہ کمزوریوں سے پاک ہے، بڑا ہی خوش آور اور مبالغہ آمیز تصور ہے۔ پھر جب وہ اصلاح کی غرض سے دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے تو لوگ اس کو اس کے کردار کا آئینہ دکھاتے ہیں اور اس طرح وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے، پھر وہ اپنے قرب و جوار کی اصلاح کرنے سے پرہیز کرنے لگتا ہے اور کہیں دور جاکر تبلیغ کے لئے میدان تلاش کرتا ہے۔ ظاہر ہے، جب لوگ اس کی تنقید کو برداشت نہیں کرسکتے تو وہ کیوں کر کرے گا؟

تنقید

لوگ اپنے خلاف تنقید سے اتنا زیادہ برہم کیوں ہوجاتے ہیں ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو باعزت اور باوقار دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ کسی حال میں بھی اپنی بے عزتی کو پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خلاف تنقید سنتے ہی فوراً مشتعل ہوجاتا ہے۔ تنقید اس کو اپنی عزت اور وقار کے خلاف ایک حملہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ چاہتا ہے کہ اپنا سارا غصہ ناقد کے سر پر انڈیل دے، کیوں کہ اپنے آپ کو باعزت اور باوقار دیکھنا یہ انسان کا سب سے زیادہ طاقتور فطری جذبہ ہے، اپنی خود پسندی کا اظہار ہے، اس کے لئے وہ حق اور حقیقت کا اعتراف کرنے سے بھی انکار کردیتا ہے۔ الغرض، تنقید بلاشبہ انسان کے لئے سب سے زیادہ کڑوی گولی ہے۔ اس میں عوام اور خواص کا کوئی فرق نہیں۔

صرف ایک انسان تنقید سے برہم نہیں ہوتا۔ وہ ہے اللہ کا داعی، جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ یہ وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو اتنی گہرائی کے ساتھ دیکھتا ہے کہ اس کو اپنی نظر میں اپنا وجود سراسر بے عظمت نظر آنے لگتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا مان کر اپنے آپ کو چھوٹا بنا چکا ہوتا ہے، پھر تنقید اس کو چھوٹا کردے تو وہ کیوں غضبناک ہوگا جب کہ اس سے پہلے وہ خود اپنے آپ کو چھوٹا کرچکا ہے ؟ اس کا تو بس یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ عزت سب اللہ کے لئے ہے، باقی دنیا کی ہرچیز حقیر ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ ہاں ! وہ اللہ کا داعی ہے جو تنقید سے بالکل نہیں گھبراتا۔

جو شخص تنقید سن کر بھڑک اٹھے وہ صرف یہ ثابت کررہا ہے کہ اس کے اندر تقویٰ کا فقدان ہے، اس کے اندر ابھی خود پسندی اور خود سری باقی ہے جو تکبر کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ

اور (اے رسول !) لوگوں میں سے بعض شخص ایسا بھی ہوتا ہے جس کی گفتگو جو وہ اپنی دنیوی زندگی (کے مفاد کی خاطر بڑے خوشامدانہ انداز) میں کرتا ہے، آپ کو (بڑی) اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ کرتا ہے (کہ وہ جھگڑالو نہیں ہے) حالانکہ (درحقیقت) وہ بڑا جھگڑالو ہوتا ہے (اس کی حالت یہ

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ، وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝
(البقرۃ - ۲۰۴ تا ۲۰۷)

ہوتی ہے کہا جیسے ہی وہ (آپ کے پاس سے) لوٹتا ہے تو زمین میں فساد برپا کرنے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے (اس طرح یہ باتیں اللہ کو پسند نہیں کیوں کہا اللہ فساد کو (کبھی) پسند نہیں کرتے اور جب اس سے کہا جاتا ہے (یعنی اس کے رویہ پر تنقید کی جاتی ہے) کہ اللہ سے ڈر (اور یہ باتیں چھوڑ دے) تو (اپنی غلطی تسلیم کرنے کو وہ اپنی توہین سمجھتا ہے) عزت (کی خواہش) اس کو گناہ پر جمائے رکھتی ہے، ایسے شخص (کی سزا) کے لئے دوزخ کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (اس کے خلاف) بعض شخص ایسا بھی ہوتا ہے (یعنی اللہ کا داعی) جو اللہ کی خوشنودی کی جستجو میں (عزت تو کیا) اپنی جان تک بیچ دیتا ہے (ایسے شخص پر اللہ ضرور رحم فرمائے گا کیوں کہ اللہ اپنے (نیک) بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

جو شخص مصلحت کو اپنا دین بنالے، اس کی باتیں ہمیشہ لوگوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں کیوں کہ دین کا وفادار نہ ہونے کی وجہ سے وہ حق پرستی کے صرف الفاظ بولتا ہے مگر عمل کی سطح پر وہ مفاد پرست ہوتا ہے۔ وہ عوامی مقبولیت اور عزت حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو جذباتی باتوں کی شراب پلاتا ہے، حق واضح ہوجانے کے باوجود وہ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں اس کو اپنی عزت اور وقار کا بُت ٹوٹتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ ظاہری طور پر نرم باتوں کے پیچھے اس کی متکبرانہ نفسیات اس کو اللہ کے داعی کے سامنے جھکنے سے روک دیتی ہے جس کو وہ اپنے سے چھوٹا سمجھتا ہے۔

اس کے مقابلے میں اللہ کا داعی مصلحت پرستی کے بجائے اعلانِ حق کو اپنا شیوا بناتا ہے خواہ اس کی وجہ سے اس کو بے عزت اور غیر مقبولیت پر ہی راضی کیوں نہ ہونا پڑے، اگرچہ اس کے نتیجہ میں اس کو اپنے مال اور جان سے بھی کیوں نہ کھونا پڑے اور وہ لوگوں کے عتاب کا شکار بھی ہوتا رہے۔ الغرض، اللہ کا داعی تنقید اور ملامت کو تو اپنی اصلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ ملامت کی حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

یہ تو تنقید کا اصلاحی پہلو تھا۔ اب آپ کی خدمت میں اس کا تبلیغی پہلو پیش کیا جاتا ہے۔
اللہ کے داعی کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرے اور اس کے لئے اس کو تنقید کرنا ضروری ہے۔
دراصل بات یہ ہے کہ لوگ جس چیز کو عزت اور وقار سمجھتے ہیں، اس کا مادہ تکبر ہے کیوں کہ لوگ اپنے آپ کو بڑا اور قابلِ احترام سمجھتے ہیں اور چھوٹا بننا پسند نہیں کرتے، اس لئے تنقید سے گھبراتے ہیں کیوں کہ:۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (المُنٰفِقُوْن ـ ۸)	عزت تو اللہ کے لئے ہے، اس کے رسول کے لئے ہے اور مؤمنین کے لئے ہے مگر منافقین (اس بات کو) نہیں سمجھتے

پھر لوگوں کے پاس عزت کہاں سے آگئی ہے؟ بہرحال، لوگ جس چیز کو عزّت کا بت سمجھتے ہیں، ہمیں اس کا احترام کرنا ہے تاکہ تبلیغ کا مقصد پورا ہو۔
مذکورہ بالا بحث سے یہ حکمت تو کھل کر سامنے آگئی کہ ہمیں لوگوں کی عزت کے بھرم کو قائم رکھ کر ان پر مناسب تنقید کرنی ہے، لہٰذا ان کو آئینہ اس طریقہ سے دکھانا چاہیئے کہ ان کو غصہ نہ آئے یعنی محبت، ہمدردی اور شفقت سے تنقید کرنی چاہیئے تاکہ ہمارے مخاطبین اپنے عیب کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوں، مشتعل ہوکر اپنے آپ کو سچّا ثابت کرنے کی مہم میں مصروف نہ ہوجائیں۔
سب سے اہم بات یہ ہے کہ آئینہ اس وقت داغ بتاتا ہے جب اس کے سامنے جاکر کھڑا ہوا جائے۔ ایسے ہی داعی کو اپنے مخاطب پر تنقید اس وقت کرنی چاہیئے جب اس کا ذہن اس کو سننے کے لئے تیار ہو ورنہ اس کے ذہن کو تیار کیا جائے، جیسا کہ "خود پسندی" کے باب میں بتایا جاچکا ہے ورنہ بات کو کسی بہتر وقت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔
دوسری اہم بات یہ ہے کہ تنقید ہر وقت اور ہر صحبت میں نہ کی جائے۔
تیسری اہم بات یہ ہے کہ انتہائی محتاط اور نرم زبان استعمال کی جائے تاکہ اپنے مخاطب کو تسلی رہے کہ آپ نے اس کی خیر خواہی کے لئے اپنی زبان کھولی ہے، اس کا دل دکھانے کی خاطر نہیں۔
چوتھی اہم بات یہ کہ اگر تنقید کے جواب میں مخاطب کی جانب سے تنقید شروع ہوجائے اور پھر جواب الجواب کا سلسلہ چل پڑے تو کسی مناسب جگہ اس سلسلے کو ختم کرنا ضروری ہے تاکہ خوشگواری میں ملاقات ختم ہو، پھر دوبارہ ملنے کی خواہش کا اظہار کیا جائے۔

پانچویں اہم بات یہ ہے کہ اگر مخاطب اپنے نظریہ کی تائید میں کوئی کتاب پڑھنے کے لئے دے تو اس میں نہایت دلچسپی کا اظہار کیا جائے اور اس کے مطالعہ کا وعدہ کیا جائے تاکہ اس کے مطالعہ کے بعد دوبارہ ملاقات کا موقع یا بہانہ مل سکے۔

چھٹی اہم بات یہ ہے کہ آپ کو اس کی تنقید سے کہیں بھی مشتعل نہیں ہونا ورنہ آپ اللہ کے داعی نہیں رہیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا، (النحل - ۹۲)

(اے ایمان والو!) تم اس عورت کی طرح نہ ہوجانا جس نے اپنے سوت کو کاٹ کر مضبوط کرلینے کے بعد اسے (پھر) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اپنی محنت کو ضائع کردیا۔

کاتے ہوئے سوت کو خود مخواہ بکھیر دینا پورے دن کی محنت کو ضائع کرنا ہے۔ اسی طرح کسی معاہدے، عہد یا گفتگو کو توڑ ڈالنا اس پورے عمل کو باطل کرنا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی اتفاق کا ایک معاملہ وجود میں آیا تھا یا آنے والا تھا۔ جو شخص تبلیغ کے دوران مشتعل ہوگیا گویا اس نے دین کے مفاد کو نقصان پہنچایا اور اپنے مخاطب کو گمراہی کے راستہ ہی پر چھوڑ کر چل دیا۔ کیا ایسا شخص اللہ کا داعی ہوسکتا ہے؟

تبلیغ کی حکمت

تبلیغ کی اہمیت | ہر شخص کو اپنی رائے عزیز ہوتی ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ کوئی شخص اپنی رائے کو چھوڑ کر آپ کی رائے کو قبول کرلے تو یہ بات اتنی آسان نہیں، پھر جو رائے صدیوں سے روایت اور رواج بن چکی ہو یا آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہو، وہ ایک نظریہ، عقیدہ یا تقلید کی ایک خودساختہ دلیل بن جاتی ہے۔ اس دلیل سے کسی کو ہٹانا گویا پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ	اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتار دیتے تو آپ دیکھ لیتے
لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ	کہ وہ اللہ کے خوف سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے
اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ	ہوجاتا، اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے اس لئے بیان
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (الحشر - ۲۱)	کر رہے ہیں تاکہ وہ (ان مثالوں پر) غور کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کرنا اور لوگوں کی رائے، نظریات اور عقائد کو بدلنا پہاڑ کو ہٹانے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ انسان اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ آزاد نہیں ہے بلکہ اس کو اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ یہ خبر اتنی سنگین ہے کہ پہاڑ تک کو ریزہ ریزہ کردینے کے لئے کافی ہے لیکن انسان اتنا غافل اور بے حس ہے کہ وہ اس کائنات اور اپنے وجود پر غور کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا کہ کائنات کی ہر چیز کسی نہ کسی اصول اور قانون کی پابند ہے، پھر وہ اکیلا اس کائنات میں کیوں غیر پابند ہے؟ اس کائنات کی ہر چیز پر تصرف کرنے کا اختیار اس کو کیوں ملا ہوا ہے؟ ضرور کوئی ایسی ہستی ہے جو اس کائنات کی پیدائش کی ذمہ دار ہے اور پھر اس کی نگرانی بھی کر رہی ہے بلکہ اس کی پرورش بھی کر رہی ہے، ہر ہونے والی کمی کو اپنے وقت پر پورا کر رہی ہے اور سینکڑوں سال سے یہ عمل جاری و ساری ہے۔

الغرض، تبلیغ کا کام انسان کے بس کا نہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اس کام کو کرنا چاہتا تھا بلکہ انسان ہی سے کروانا چاہتا تھا اس لئے اس کی ہدایت اور توفیق سے ممکن ہوا۔ اگر یہ کام آسان ہوتا تو انسان کو جنت کا انعام کیوں ملتا؟ الغرض، جنت اللہ کے داعی کے لئے ہے۔

اللہ کے داعی کو دعوت کا کام اس طرح کرنا ہے کہ اس کا مخاطب اپنے خالق، رب اور رازق کی بات مان ہی لے، ضد نہ کرے تاکہ وہ (بات) اس کی رائے، تصورات، خیالات اور عمل و رد عمل کی بنیاد بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ، فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ٥
(الاعراف - ۱۸۵)

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی عظیم الشان سلطنت اور (اس کے علاوہ وہ) تمام چیزیں جو اللہ نے پیدا کی ہیں، ان کی طرف نظر نہیں کی (جو اللہ کی عظمت اور توحید کی کھلی شہادت ہیں) اور (کیا انہیں اس بات کا ڈر نہیں) کہ ان کی موت کا وقت قریب آن پہنچا ہو (اور مرتے ہی وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوجائیں، اگر وہ اب بھی اس بات پر ایمان نہیں لاتے تو آخر) اس کے بعد اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ٥
(الکہف - ٦)

(اے رسول!) اگر یہ لوگ اس بات (کلام) پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کے پیچھے رنج کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ (اے رسول! آپ کو ان کے پیچھے رنج کرنے کی ضرورت نہیں)

اللہ کے داعی کی سب سے بڑی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ غیر مصلحت پسند انسان ہوتا ہے، وہ اپنے وقت کی روایات اور رواج سے اوپر اٹھ کر سوچتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے وقت کا سب سے بڑا بامقصد انسان ہوتا ہے کیوں کہ وہ ایک ایسا پیغام لے کر اٹھتا ہے جس کی تصدیق تمام زمین و آسمان کر رہے ہیں۔ وہ آخرت کی ایسی خبر دیتا ہے جو زمین و آسمان میں ایک سنگین حقیقت بنی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود لوگ اس حقیقت کو نہ مانیں تو اس کی وجہ دنیا کی دل فریبیاں ہوتی ہیں کہ لوگ اس سے اوپر اٹھ نہیں پاتے، اس لئے وہ ایسی دعوت کی حقیقت کو کچھ نہیں پاتے مگر زمین کی یہ دل فریبیاں انتہائی عارضی ہیں، وہ امتحان کی ایک مدّت تک ہیں، اس کے بعد زمین کی یہ حیثیت ختم کردی جائے گی۔

حقیقی اسلامی دعوت ذہن کو جگادیتی ہے۔ زمین پر کسی مؤمن کا وجود میں آنا خود اس بات کی ضمانت ہے کہ اسلامی دعوت ضرور وجود میں آئے گی اور دنیا اس سے باخبر ہوگی۔ یہی

اسلامی دعوت کا آغاز ہے۔ اسلامی دعوت نفسِ انسانی میں انقلاب لانے کی دعوت ہے۔ اس دعوت کو جب لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کو تبلیغ کہتے ہیں گویا تبلیغ کا کام آسان نہیں ہے، اس کے لئے بڑی حکمت، علم، تجربے اور عمل پیہم کی ضرورت ہوتی ہے۔

رموزِ حکمت

علم و عقل اور تجربہ کی روشنی میں کسی معاملہ کی پوشیدہ حقیقت کی معرفت کو حکمت کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، کسی چیز یا معاملہ کا فائدہ یا نقصان ہونے سے قبل اس کی حقیقت کو دریافت کرلینے کا نام حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ایک ایسا معاملہ ہے جس کی حکمت کو علم عقل اور تجربہ سے دریافت کرلینا تقریباً ناممکن تھا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت انسانی حکمت سے بالاتر ہے اور یہی وہ حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کو عطاء فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ، وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ، وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ٥ (لقمان ـ ۱۲)

اور ہم نے لقمان کو حکمت (و دانائی) کی باتیں سکھائی تھیں (اور ان سے کہا تھا۔) اللہ کا شکر ادا کرتے رہا کرو، جو شخص (اللہ کا) شکر ادا کرتا ہے، وہ اپنے ہی (فائدہ کے) لئے کرتا ہے (اللہ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں) اور جو شخص ناشکری کرتا ہے تو اللہ اس کی ناشکری سے بے نیاز اور حمد و ثناء کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس کی پوشیدہ حکمت پر مبنی ہے، اس لئے اس پر عمل پیہم اور غور و فکر کرنے سے اس کی حکمتیں آشکارہ ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرتا رہتا ہے اور اس پر غوروفکر کرتا رہتا ہے تو اس کے پوشیدہ فائدے اس کو نظر آنے لگتے ہیں۔

اس طرح وحی کی روشنی میں علم و عقل اور تجربہ میں جو اضافہ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ہم نے لقمان کو حکمت کی باتیں سکھائی تھیں"

الغرض، حکمت کی ایک بات یہ ہے کہ توحید کا مادہ شکر گزاری ہے اور کفر کا مادہ ناشکری۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ ٥ (البقرة - ۱۵۲)	اور میرے (احسان کا) شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کی ناشکری کفرانِ نعمت یا احسان فراموشی ہے۔ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ، وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ٥ (سبا - ۱۳)	اے آل داؤد ، شکر ادا کرنے کے لئے عمل کرتے رہو، میرے بندوں میں سے شکر گزار (بندے) تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ شکر کی ادائیگی کے لئے عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ (آل عمران - ۱۲۳)	(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نافرمانی سے بچا جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں سے بچنا بھی شکر گزاری ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (آل عمران - ۱۰۲)	(اے ایمان والو!) اللہ سے اس طرح سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم (مرتے دم تک) مسلم رہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ مرتے دم تک اسلام پر عمل کرنا ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ، وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ٥ (النمل - ۴۰)	سلیمان نے کہا۔ جو شخص شکر کرتا ہے، وہ اپنے نفس ہی کے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بیشک میرا رب (اس کی ناشکری سے) بے نیاز، اور باعزت ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شکر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور مرتے دم تک اس کا فرمانبردار رہتا ہے، وہی مسلم ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس کے کفرانِ نعمت سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء - ۱۴۷)

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایمان کی شرط شکر ہے ورنہ عذاب ہوگا یعنی کفر کا مادہ ناشکری ہے۔

ظاہر ہے ایک ایمان والے کی حکمتِ عملی اور ایک کافر یا ناشکرے کی حکمتِ عملی میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ ایمان والے کی حکمتِ عملی اور سوچنے کا انداز وحی کی روشنی پر مبنی ہوگا جبکہ کافر یا ناشکرے کی حکمتِ عملی اور سوچنے کا انداز محض علم و عقل اور تجربہ پر مبنی ہوگا۔ اس کی حکمت دنیوی فائدہ اور نقصان کو دریافت کرنے کی حد تک محدود ہوگی۔

الغرض، انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو علم وحی نازل ہوتا ہے، وہ خالق کائنات کی حکمت پر مبنی اور انسان کی فطرت یا نفسیات کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اسی لئے دعوت و تبلیغ کی حکمت کو سمجھنے کے لئے ہمیں انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبلیغی واقعات پر غور کرتے رہنا چاہیئے تاکہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیا کیا حکمتِ عملی سکھائی تھی۔

حکمت کے آثار

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اور تبلیغ کے طریقے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (النحل - ۱۲۵)

(اے رسول!) آپ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیتے رہیئے اور جب کبھی بحث (و جدال) کا موقعہ آئے تو ان سے بہترین طریقہ سے بحث کیجیئے بیشک آپ کا رب انہیں خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت کے راستہ پر چل رہے ہیں۔

اللہ کے راستہ کی طرف بلاؤ یہ ایک انتہائی سنجیدہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت ابھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے سامنے اللہ کا داعی بن کر کھڑا ہونا داعی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے مخاطب کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا

لہجہ اختیار کرے اس کے ساتھ احسان مندی سے پیش آئے اور کہیں بھی تُرش رویہ اختیار نہ کرے۔

اگر مخاطب، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو پھر اس سے الجھ کر اس کو زیادہ ہٹ دھرم بنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ ہے۔ ایسی صورت میں بات کو سمیٹنے کی حد تک کوئی مناسب جملہ کہہ کر بحث کو ختم کر دینا چاہیئے۔ مثلاً اللہ کے داعی

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ، لَانَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ٥ (القصص - ۵۵)

جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے روگردانی کرتے ہیں اور (اس طرح) کہتے ہیں۔ "ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے (ہمارا تم کو) سلام؛ ہم نادانوں (اور جاہلوں) سے (الجھنا) نہیں چاہتے"

کسی بات کو ماننے یا نہ ماننے کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ حق ہے اس لئے اس کو مان ہی لینا چاہیئے اور دوسری یہ کہ یہ بات ہمارے گروہ کی طرف سے نہیں آئی، اس لئے اس کو نہیں ماننا چاہیئے۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے انسان کو ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔ اسی قسم کے وہ لوگ تھے جو دورِ اول میں قرآن اور رسالت پر ایمان لائے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی ایسے لوگوں کی ایک قلیل تعداد تھی جو قرآن کو سنتے ہی اس پر ایمان لے آئی تھی۔ یہ لوگ وہ تھے جو سابق انبیاء کی حقیقی تعلیمات پر قائم تھے، اس لئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرح پہچان لیا جس طرح انہوں نے سابق انبیاء کو پہچانا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ کا دین گروہی یا فرقہ وارانہ مذہب بن جاتا ہے تو حق کو پہچاننے کا معیار بھی فرقہ وارانہ ہوجاتا ہے۔ یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہوتے ہیں، اس آیت میں ایسے لوگوں کے لئے لفظ " جاہل " استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص جہالت پر اتر آئے، غلط بات پر اڑ جائے، شرافت کی جگہ مقابلہ کرنے لگے تو ایسے لوگوں کو یہی کہہ کر الگ ہوجانا چاہیئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ " سلام " کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان جاہلوں سے الجھنے کے بجائے کنارہ کشی اختیار کرلینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

اور (اے رسول!) رحمان کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی اور انکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (الفرقان - ۶۳)

جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ سلام کرتے ہوئے (وقار سے گزر جاتے) ہیں۔

رحمان کے بندوں کا کام صرف اتنا ہی ہو کہ بس وہ وقار سے گزر جائیں تو کوئی بھی ان سے نہ الجھے مگر اللہ تعالیٰ کی معرفت انہیں اللہ کا داعی بنادیتی ہے۔ بس یہیں سے ان کا ٹکراؤ دوسروں سے شروع ہوجاتا ہے۔ ان کا اعلانِ حق فرقہ وارانہ گروہ کے لئے ناقابلِ برداشت ہوجاتا ہے اور وہ ان سے ٹکرانے کے لئے آجاتے ہیں مگر یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ڈر انہیں جوابی ٹکراؤ سے روک دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی معرفت کا نتیجہ ہے ورنہ ان کی زندگی میں ایک کبھی ختم نہ ہونے والی بے چینی شامل ہوجاتی ہے، اس لئے ان کا لوگوں سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ یہ زمین پر تو عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں مگر جب جاہل لوگ ان سے الجھتے ہیں تو ان کو سلام کہہ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں تاکہ کوئی فساد برپا نہ ہو مگر تبلیغ تو ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ (الاعراف - ۱۹)

(اور اے رسول!) عفو و درگزر (کا شیوہ) اختیار کیجئے نیک کام کا حکم دیتے رہیئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ (یعنی سلام کرکے باوقار طریقے سے علیحدگی اختیار کرلیجئے)

حق کو سمجھنا بہت آسان ہے مگر یہ آسان ترین کام ہر زمانہ میں مشکل ترین کام رہا ہے۔ لوگ حق کا نام لے کر باطل پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر آدمی اس کا مخالف بن کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ اپنی زندگی کا نظام دنیوی مفاد اور ذاتی مصلحتوں کی بنیاد پر قائم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب کبھی دین کی خالص دعوت اٹھتی ہے تو ہر آدمی اپنے آپ پر اس کی زد پڑتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔

ایسی حالت میں اللہ کے داعی کو کیا کرنا چاہیئے؟ وہ ہے درگزر اور جاہلوں سے اعراض، یعنی لوگوں سے الجھے بغیر بالکل ٹھنڈے دل سے اپنے کام کو جاری رکھنا۔ اللہ کا داعی اگر لوگوں کے شوشوں کا جواب دینے لگے تو حق کی دعوت مناظرہ کی صورت اختیار کرلے گی اور ایک تماشہ بن جائے گی، اس طرح وہ اپنی صلاحیتوں اور وقت کو ضائع کردے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کا داعی جاہلوں کی طرف سے پیش آنے والی ناخوش گواریوں پر صبر کرے اور ان سے الجھے بغیر اپنے مثبت کام کو جاری رکھے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے خالی ہوتے ہیں، ان کے اندر شیطان داخل

ہوکر اپنا کام کرتا رہتا ہے اور ان کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتا کہ اس کے ساتھی بن کر وہ کس گڑھے کی طرف چلے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَانَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ، لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا، وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا، وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝
(الاعراف - ۱۷۹)

اور (اے رسول!) ہم نے بہت سے جن اور (بہت سے) انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں (اور یہ وہ لوگ ہیں) جن کے پاس دل تو ہیں لیکن ان کے ذریعہ سمجھتے نہیں، آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں، کان تو ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں (یعنی حق بات کو جاننے کے لئے دل، آنکھ اور کان سے کام نہیں لیتے) یہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ (راہ راست سے) بھٹکے ہوئے ہیں (اور اس کی وجہ اور کچھ نہیں کہ) یہ لوگ (اپنے انجام سے) غافل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ، اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
(الفرقان - ۴۴)

(اور اے رسول!) کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں، سمجھتے ہیں؟ (نہیں، یہ کچھ نہیں سنتے اور نہ سمجھتے ہیں بلکہ) یہ تو چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔

حق ایک ایسی چیز ہے جس کو پانے کے لئے انسان کو شعوری کوشش کرنا پڑتی ہے۔ حق کو پانا اور اس کے لئے کوشش کرنا، ایک ارادی فعل ہے۔ اس لئے حق کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اس کے لئے اپنے دل کے دروازے کھولے ہوئے ہوں۔ اس کو وہی دیکھ سکتا ہے جس نے اپنی آنکھوں پر مصنوعی پردے نہ ڈال دیئے ہوں۔ اس کی آواز اسی کو سنائی دیتی ہے جس نے اس کے ملنے لئے اپنے کان میں ڈاٹ نہ لگا رکھی ہو اور جو اس کے برعکس ہو، اس کے لئے پہاڑ جیسے دلائل کا وزن محسوس کرنا بھی مشکل ہوجائے گا۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تجلی نازل ہوگی تو اس کو دیکھنے سے بھی وہ عاجز ہوگا۔ الغرض، وہ چوپایوں سے بھی بدتر ہوگا۔ اسی لئے وہ اللہ کے داعی کی پُر اثر آواز کو محسوس نہیں کرسکتا۔

سب سے بڑا بت آدمی کی خواہش نفس ہے، بلکہ یہی اصل بت ہے، بقیہ تمام بت صرف خواہش پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ چنانچہ، ایسے لوگوں پر مناسب حد تک

اتمامِ حجّت کرلینے کے بعد ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ، فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ٥ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ٥
(الزمر - ۳۹ ، ۴۰)

(اے رسول !) آپ کہہ دیجئے۔ اے میری قوم ! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس پر (دنیا میں) رسوا کرنے والا عذاب اور (آخرت میں) دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

جب اللہ کے داعی کے تمام دلائل اس کے مخاطب پر بے اثر ثابت ہوجائیں تو اس وقت اس کے پاس کہنے کی جو بات رہتی ہے، وہ یہی ہوتی ہے کہ جب آخرت کا دن آئے گا تو وہی فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔ یہ جملہ دلائل کے بعد داعی کے یقین کا اظہار ہوتا ہے اور اللہ کے داعی کا ہمیشہ آخری کلمہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

حکمت کے عملی نمونے

والد کو تبلیغ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد کو تبلیغ کی تو فرمایا :۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْئًا ٥ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ٥ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ، اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ٥ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ٥ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ، لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا ٥ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ ، اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا ٥

"اے میرے ابا جان! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سُن سکے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکے ؟ اے میرے اباجان ! میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا لہٰذا آپ میری پیروی کیجئے، میں آپ کو سیدھے راستے پر چلاؤں گا۔ اے میرے اباجان ! شیطان کی پرستش نہ کیجئے، بیشک شیطان رحمان کا بڑا نافرمان ہے۔ اے میرے ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو رحمان کی طرف سے عذاب نہ پکڑلے اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔" باپ نے کہا۔ "اے ابراہیم ! کیا تم میرے معبودوں سے بیزار ہو ؟ اگر تم اس (عقیدہ) سے باز نہیں آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا۔ تم ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔" ابراہیم نے کہا۔ "(بہت اچھا !) سلام علیک، میں اپنے

وَاَعۡتَزِلُکُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّیۡ ۫ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَکُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ○
(مریم - ۴۲ تا ۴۸)

رب سے آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے اور (آپ کے) ان معبودوں سے جن کو آپ لوگ پکارتے ہو، کنارا کشی اختیار کرتا ہوں۔ میں تو (صرف) اپنے رب کو پکارتا ہوں۔ امید ہے، میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دعوت کے واقعات بیان کرنے کی مثالیں دینے کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ عملی نمونوں کا جو اثر ہوتا ہے، وہ کسی دوسرے وسائلِ تبلیغ سے نہیں ہوسکتا۔

ان آیات میں پدرانہ جذبہ کو ابھارا گیا ہے۔ اندازِ خطاب پر غور کیجیے، بار بار کہنا " اے میرے اباجان!" اس میں بیٹے کی سعادت مندی، محبت اور فروتنی پوری طرح نمایاں ہے۔ جب ایک فرزند اپنے باپ کو "اے میرے ابا جان!" کہہ کر خطاب کرتا ہے تو وہ اس کے جذبۂ پدری کو ابھارتا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھ بوجھ کر قصداً یہ اندازِ خطاب اختیار کیا تھا تاکہ ان کی بات گہرائیوں تک ان کے والد کے دل میں اتر جائے اور پدرانہ محبت ان کے دل کا دروازہ کھول دے۔ انہوں نے اپنی دعوت میں جذبۂ ایمانی سے قبل شفقّتِ پدری کے خوابیدہ تاروں کو چھیڑا۔ بسا اوقات محبت ایمان سے پہلے دل میں گھر کرتی ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شفیق باپ تو ہو مگر وہ مؤمن نہ ہو، اس کی شفقّتِ پدری کا سوتا جاری ہے اور ایمان کا سوتا خشک ہے لہٰذا اس کو دین کی دعوت دینا ہے تو اسی دروازے سے داخل ہونا پڑے گا جو کھلا ہوا ہے۔

ایک داعی اور مبلغ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کی نعمت ملی ہے، وہ کبھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اگر وہ اس پہلو کو نظر انداز کرے گا تو خود اپنی ذات کو نقصان پہنچائے گا اور دین کو بھی۔ اللہ کا داعی اگر تُرش مزاج ہوگا تو وہ اپنے دعوے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ
(آل عمران - ۱۵۹)

اور (اے رسول!) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ مؤمنین کے لئے بڑے نرم واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ بدخلق، سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے ارد گرد سے بھاگ جاتے لہٰذا (حسبِ عادت) آپ ان کو معاف کرتے رہیئے (اور) ان کے لئے (اللہ سے) مغفرت طلب کرتے رہیں۔

اللہ کا داعی کافروں کے لئے بھی ترش رویہ اختیار نہیں کرتا اور نہ ان کے لئے انتقام کا مزاج رکھتا ہے بلکہ اختیار کے باوجود وہ طائف میں پہاڑ کے فرشتے کو اہل طائف پر عذاب لانے سے روکتا ہے اور کہتا ہے۔ "نہیں! مجھے امید ہے کہ ان کی پشت سے اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے" (صحیح بخاری کتاب بدلہ الخلق و صحیح مسلم کتاب الجہاد)

الغرض، اے میرے ابا جان، اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی! اے میرے دوست، اے میری قوم وغیرہ یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے مخاطب کو خطاب کرنے سے جذبۂ ہمدردی اور شفقت ابھرتا ہے، اپنائیت پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ طرز نصیحت اور تبلیغ کے لئے کافی کار آمد ہوسکتا ہے۔

دوسرا نمونہ (کوہ صفاء کا وعظ) اب ایک دوسرا تابناک نمونہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو اپنی نوعیت اور خصوصیت کے لحاظ سے منفرد اور اسباب و ماحول کے اعتبار سے نادر ہے۔ مزید برآں، حکمت اور بلاغت کی اعلیٰ مثال ہے۔ اس کی بلاغت صرف حسنِ بیان کی نہیں بلکہ عقل و فکر کے لحاظ سے بھی قابل غور و فکر ہے بلکہ اس لائق ہے کہ نفسیات کے ماہرین اس کو اپنی تحقیق و بحث کا موضوع بنائیں۔

یہ خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز تھا۔ آپ اپنی نگاہ میں اس ماحول کو اپنے سامنے رکھیئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تھا اور ان مشکلات کو بھی سامنے رکھیئے جو اس وقت دعوتِ حق کو گھیرے ہوئے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشِ مکّہ کو جو بات کہنا چاہتے تھے، اس کا دارومدار دو حقیقتوں پر تھا۔ پہلی یہ کہ یہ دنیا جس کو ہم برت رہے ہیں، یہی سب کچھ نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی ایک عالمِ غیب ہے جو ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔ دوسری یہ کہ نبوت کی یقین دہانی، کیوں کہ نبوت ہی وہ ذریعہ ہے جو ہم کو عالمِ محسوسات سے عالمِ غیب کی حقیقتوں سے آگاہ کرتا ہے۔

عقل کا دارومدار حواس خمسہ پر ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے بہت سے مدیانِ عقل ناواقف ہیں لیکن موجودہ نفسیاتی تحقیق نے اس حقیقت کو ثابت کردیا ہے کہ بغیر حواس خمسہ کی مدد کے عقل بے معنی لفظ ہے اور اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اہل عرب ایک بڑے عرصہ سے پیغمبرانہ تعلیمات سے بے بہرہ چلے آرہے تھے، اس کی وجہ سے عالمِ غیب کا تصور ان کے اندر مفقود ہوچکا تھا جو اس عالمِ محسوسات کو عالمِ غیب سے مربوط کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ، بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا، ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ○

(النمل - ٦٦، ٦٧)

بلکہ آخرت (کے بارے میں ان کافروں کے علم کا خاتمہ ہوچکا ہے، وہ (ابھی تک) آخرت کے معاملہ میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ اس کی طرف سے بالکل اندھے ہیں اور (اے رسول!) کافر کہتے ہیں۔ "کیا جب ہم اور ہمارے آباء و اجداد (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم (پھر دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جائیں گے؟"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا، ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ○

(قٓ - ۲، ۳)

(یہ لوگ کسی اور وجہ سے آپ کی رسالت کا انکار نہیں کرتے) بلکہ ان کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں اس بات پر تعجب ہے کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آگیا کافر کہنے لگے۔ "یہ تو (بڑی) عجیب بات ہے" (اور جب ان سے کہا گیا کہ وہ حساب کتاب کے لئے پھر زندہ کئے جائیں گے تو انہوں نے تعجب سے) پوچھا۔ "کیا جب ہم مرکر مٹی ہوجائیں گے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے ؟) یہ دوبارہ زندہ ہونا تو (بعید از عقل) ہے"

الغرض، اہل عرب کے پاس دین کی بنیادی معلومات ہی نہ تھیں گویا حصولِ علم یا شعورِ غیب کے لئے ان کے پاس کلید ہی نہ تھی۔ وہ جس علمی افلاس اور ذہنی تنگی میں پلے تھے، وہ نبوت اور اس کی تعلیمات کو حلق سے نیچے اتارنے کے لئے تیار ہی نہ تھے لہٰذا یہ ضروری تھا کہ پہلے ان کا ذہن نبوت کا تصور کرنے کے قابل ہوجائے تاکہ تعلیماتِ نبوت ان تک پہنچانے کا دوسرا اقدام اٹھایا جاسکے۔

اس کے برخلاف بنی اسرائیل کے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ وہ ہر نبی کے آنے سے پہلے نبوت، عالمِ غیب اور آخرت کا تصور رکھتے تھے۔

اہل عرب ایک عرصۂ دراز سے ان باتوں سے بے تعلق رہے تھے لیکن بات کی تہہ تک پہنچ جانے اور جلد از جلد کسی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کا اعتراف کرلینے میں ان کو امتیازی مقام

حاصل تھا وہ قوت مشاہدہ اور عقلِ عام (COMMON SENSE) سے بہرہ ور تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منشاءِ الٰہی کے مطابق ان کی اس خصوصیت کو اپنے سامنے رکھا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ آپ اس مقام پر ہیں جہاں سے آپ کسی غیر حسی اور غیر مرئی حقیقت سے آگاہ فرماسکتے ہیں اور آئندہ پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرسکتے ہیں، آپ ان باتوں کی اطلاع دے سکتے ہیں جنہیں انسان نہیں دیکھ سکتا۔ سمجھانے کا یہ طریقہ ہزاروں دلیلوں سے زیادہ بلیغ تھا جس کا سہارہ بڑے بڑے خطیب اور ماہرینِ نفسیات لیا کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ تمام مراحل جن سے وہ گزرے، سب فطرت اور ماحول کے مطابق تھے یہی تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ خیالی اور پر تکلف باتوں سے پرہیز کرتے تھے وہ فلسفانہ منطق کا سہارہ نہیں لیتے تھے وہ حقیر سے حقیر چیزوں سے بھی عظیم نتائج برآمد کرلیتے تھے جو نگاہوں سے اوجھل ہوتی تھیں۔

اس زمانہ میں ذرائع ابلاغ کے نام کی کوئی چیز نہ تھی تو پھر کسی مقام پر لوگوں کو جمع کرنے کی کیا سبیل ہوسکتی تھی کہ لوگ اپنے اپنے مشاغل اور کاروبار کو چھوڑ کر فوراً کسی جگہ اکٹھے ہوجائیں اور ان سے کچھ بات کی جاسکے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود عرب تھے، اس لئے اہل عرب کے رواج، روایات، سماجی عادات اور ان کے نفسیاتی اثرات سے واقف تھے اس لئے آپ نے ان روایتی طور طریقوں کو اپنے پیغام کی رسائی کے لئے وسیلہ بنایا۔

اہل عرب کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص کوئی خطرہ محسوس کرتا جس سے ابنائے قرب و جوار واقف نہیں ہیں تو وہ کسی مخصوص پہاڑی کے ٹیلے پر چڑھ کر بلند آواز میں پکارتا۔ "یا صبا حاہ ! واصبا حاہ !" تو لوگ اس آواز کو سن کر اپنے ہر کام کو چھوڑ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے یا کوئی خطرہ والی خبر کو سننے کے لئے دوڑ پڑتے۔

بیرونی دشمنوں کے خطرے خواہ وہ جس قدر بھی نقصان رساں ہوں، انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظروں میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سب سے بڑا خطرہ تعلیماتِ نبویہ سے بے بہرہ زندگی ہے، جو نری جاہلیت ہے اور جو رواج، روایات، عقائد کی شکل میں ان کے نفوس کے اندر جاگزیں ہے یہ خطرہ بہ نسبت بیرونی خطرہ کے زیادہ مضر ہے۔ المختصر، ان خطروں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ اے (میرے) رسول ! (پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے
(الشعراء - ۲۱۴)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفاء کی پہاڑی پر

تشریف لے گئے۔ یہ پہاڑی قریش کی آبادی سے قریب تر تھی۔ آپ نے وہاں سے اہلِ قریش کو آواز دی۔

اے قبیلہ قریش کے لوگو! اس خطاب عام کے بعد آپ نے قریش کے تمام خاندانوں کو نام بنام آواز دے کر بلایا۔ آپ نے فرمایا۔ اے بنو فہر! اے بنو عدی وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ تمام لوگ جمع ہوگئے اور جو نہیں آسکا اس نے کسی شخص کو بھیج دیا کہ وہ معلوم کرکے آئے کہ کیا معاملہ ہے۔ ان جمع ہونے والوں میں ابولہب بھی شامل تھا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ بتاؤ! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، اگر میں یہ خبر دوں کہ ایک دشمن صبح یا شام تم پر چھاپہ مارنے والا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کروگے؟ لوگوں نے کہا: "ہاں! ہم نے سوائے سچ کے آپ کو اور کچھ کہتے ہوئے نہیں پایا، کبھی آپ کے جھوٹ کا ہمیں تجربہ نہیں ہوا" آپ نے فرمایا۔ "میں تمہیں عذاب شدید سے ڈرانے والا ہوں۔ اپنی جانوں کو بچاؤ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنو کعب! اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنو مرہ! اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد شمس! اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد مناف! اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو۔ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنو عبدالمطلب! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے صفیہ! محمد کی پھوپی! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ مجھ سے جو مال (یہاں) مانگنا چاہو مانگ لو۔ اے فاطمہ! محمد کی بیٹی! اپنی جان کو دوزخ سے بچاؤ۔ رشتہ داری کا حق میں یہاں ادا کرسکتا ہوں۔ جو مال مجھ سے یہاں مانگنا ہو مانگ لو۔ آخرت میں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔"

یہ تقریر سن کر ابولہب نے کہا کہ تم تمام دن برباد رہو۔ کیا تم نے ہمیں یہاں اس لئے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہوا اور وہاں سے چلدیا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعرآء عن ابن عباسؓ و ابی ہریرۃؓ، کتاب التفسیر سورۃ سبا و تبّت یدا عن ابن عباسؓ و کتاب احادیث الانبیاء و صحیح مسلم باب "وانذر عشیرتک الاقربین" کتاب الایمان نحوہ")

اہلِ مکّہ نے ایک ایسے فردِ عزیز کی آواز سنی تھی جس سے وہ اچھی طرح آشنا تھے، جس کو خود انہوں نے صادق اور امین کا لقب دیا تھا اور ان کے تجربات، ان کے سامنے تھے، کوئی شخص مکہ میں ایسا نہیں تھا جو اس آواز کو سن کر نہ آیا ہو، جو خود نہ آسکا، اس نے اپنے نمائندے کو بھیج دیا۔

یہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب فرمایا تھا، ان پڑھ اور امی لوگ تھے، انہوں نے منطق اور فلسفہ نہیں پڑھا تھا لیکن یہ لوگ حقیقت پسند اور عملی انسان تھے، انہیں اللہ

تعالیٰ نے عقل سلیم اور واقعت پسندی کی دولت سے نوازا تھا۔ آپ کی صداقت و دیانت اور امانت داری اور خیر خواہی پر ان کا پہلے ہی سے ایمان تھا لہٰذا انہوں نے بلا تامل آپ کی یہ بات تسلیم کرلی کہ پہاڑی کے پیچھے جو کچھ ہے وہ ہماری نظر سے اوجھل ہے گویا حساسیت کی حد تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ایمان رکھتے تھے اور اس سے آگے تو وہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ (یونس - ۳۹)	حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم کا وہ احاطہ نہ کرسکے اس کو اپنی نادانی سے جھٹلادیا۔ ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

جب یہ مرحلہ ختم ہوا تو آپ نے خطاب میں فرمایا۔ "میں تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔" اگر یہ بات ان کی عقل میں سما سکتی تو وہ اس کو ضرور مان لیتے۔ اس لئے انہوں نے حقیقت کا جائزہ لینے میں تاخیر نہیں کی اور فوراً انکار کردیا۔

دراصل سارا مسئلہ عالمِ غیب پر ایمان لانے کا ہے۔ اگر نظر سے اوجھل کسی عالم غیب کے وجود کو مان لیا گیا تو پھر راستہ کھل جاتا ہے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب اس پر کوئی دنیوی عذاب آتا ہے تو وہ مافوق الفطرت ہستی کی تلاش شروع کردیتا ہے اور عقل سے بلند ہوکر سوچنے لگتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (السجدۃ - ۲۱)	اور ان کو ہم (قیامت کے بڑے) عذاب سے پہلے دنیا کا عذاب چکھائیں گے شاید کہ وہ ہماری طرف لوٹ آئیں۔

جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنی فطرت سے مجبور ہوکر تھوڑی دیر کے لئے عالم غیب کی طرف لوٹ آتا ہے۔ مثلاً

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام - ۶۳-۶۴)	(اے رسول!) آپ ان سے پوچھئے۔ بتاؤ! خشکی اور تری کے اندھیروں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے، جب کہ تم اسے گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ہم (اس کے) شکر گزار بندوں میں سے ہوجائیں گے، پھر (اے رسول! آپ ان سے کہہ دیجئے) کہ اللہ

ہی تم کو اس مصیبت سے بلکہ ہر تکلیف سے نجات دیتا
ہے مگر تم پھر بھی اس کے ساتھ شرک کرتے ہو (کہ
دوسروں کو بھی پکارتے ہو)۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان کی امتوں پر چھوٹے چھوٹے عذاب اور مصیبتیں آتی رہیں تاکہ ان کی فطرت بیدار ہوجائے اور وہ عالمِ غیب سے رابطہ قائم کرلیں اور ایمان لے آئیں گویا مصیبت عالمِ غیب کا دروازہ کھولتی ہے، اگر انسان چاہے تو اس میں داخل ہوجائے۔ قوم فرعون پر اس قسم کے کئی عذاب آئے۔

الغرض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ کو آپ کی صداقت و دیانت داری اور امانت و خیر خواہی پر ایمان تھا اور ابولہب بھی ان لوگوں میں شامل تھا لہٰذا وہ پہاڑی کی دوسری جانب جو کچھ ہے، اور اس کے متعلق آپ جو کہیں، اس کو وہ تسلیم کرنے کے لئے بلا تامل تیار تھا۔ المختصر، انہوں نے کہا۔ "ہمیں آپ کے جھوٹ کا کبھی تجربہ نہیں ہوا، ہم نے آپ کو سچ کے سواء کچھ کہتے ہوئے نہیں پایا۔" تب آپ نے فرمایا۔ "میں تمہیں عذابِ شدید سے ڈراتا ہوں، اپنی جانوں کو دوزخ کے عذاب سے بچاؤ۔ میں آخرت میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔" یہی وہ خبر تھی جس کو آپ نے نفسیاتی انداز میں پیش کیا جو انسانی فطرت کو اپیل کرسکتی تھی۔ اس خطبہ میں آپ نے اپنی صداقت اور امانت داری کو ایمان کی حد تک منوالیا۔ یہ آپ کی بہت بڑی کامیابی تھی اور یہی آپ کی دعوت کی بنیاد بنی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لانے کے باوجود آپ کی اس خبر کو نہیں مانا کیوں کہ یہ خبر ان کی عقل سے بالاتر اور پھر ان کے عقیدہ کے بھی خلاف تھی۔

اس خطبہ میں اللہ کے داعی کو جو سبق ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی کو لوگوں سے ملاکر رکھا جائے، اپنے اخلاق و کردار سے اپنی صداقت و اعتماد کو بحال رکھا جائے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جائے اور انسانی نفسیات کے پیش نظر تبلیغ میں فطری انداز اختیار کیا جائے اور لوگوں کے عقائد کو عالم بالا سے مربوط کیا جائے تاکہ وہ محسوس زندگی سے اوپر اٹھ کر سوچ سکیں۔

میں نے آپ کی خدمت میں دعوت اور تبلیغ کے دو فطری اور عملی نمونے پیش کئے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں ایسے بے شمار نمونے موجود ہیں۔ ان کو بیان کرکے ان کی حکمتوں کو آشکارہ کرنے کے لئے ایک کتاب مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

حکمت کے کرشمے

ہر معاشرہ میں ایسے لوگ بھی کثرت سے ہوتے ہیں جن کے فرقہ وارانہ عقائد پختہ نہیں ہوتے فرقوں میں رہتے ہوئے بھی وہ ان سے مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کے دلوں میں اپنے فرقوں کے خلاف کچھ نہ کچھ خلش ہوتی ہے۔ الغرض، ان کے دل، آنکھیں اور کان کسی حد تک کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عموماً پڑھے لکھے اور باشعور لوگ ہوتے ہیں، مثلاً سرکاری ملازم، معلم، ڈاکٹر، انجینئر، اور کاروباری پیشہ لوگ۔

ان کی قوّتِ فہم اور سمجھ بوجھ کے علاوہ ان کے مخصوص حالات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کیوں کہ ہر انسان کے لئے ان کے اپنے ذاتی مسائل زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور یہ مخصوص لوگ اپنے ذاتی مسائل کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دیتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بات کرتے وقت، جن باتوں میں ان کے مسائل کا حل بھی موجود ہو، تبلیغ میں وہ باتیں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں۔ انہیں کے پیش نظر بعض حکمت کی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

برابری کا برتاؤ

اصلاح و تبلیغ کے لئے اللہ کے داعی کے لئے سب سے پہلا دائرہ اس کا قریبی ماحول ہے مگر اس میں بہت کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ وہ یہ کہ ہر مبلغ کا ایک دائرہ ہوتا ہے، جہاں وہ اپنی اختیاری یا مؤثر حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً اپنا گھر، کاروبار، آفس، معلم، دوستوں میں اٹھنا بیٹھنا وغیرہ۔ ان دائروں میں وہ ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اسے دوسروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ان دائروں میں اصلاح و تبلیغ کے لئے جو طریقہ وہ اختیار کرے، وہ ایسا ہو جو اس کی حیثیت کے مطابق ہو، جو اس نے اپنے قریبی ماحول میں بنائی ہے، لہٰذا تبلیغ میں بھی وہ اپنی بالادستی سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس کے رویہ میں جبر ہوتا ہے، وہ دباؤ سے کام لینا چاہتا ہے، ڈرانے [illegible] سے بھی نہیں چوکتا۔ نتیجہ ظاہر ہے، دلوں کا بدلنا، رائے کا ہموار کرنا اور خیالات کو

موافق بنالینا اتنا آسان کام نہیں جو جبر، دباؤ اور خوف سے پورا ہوسکے۔ ہر شخص اپنی انا اور شخصیت رکھتا ہے۔ مانا کہ آپ کے ماتحت آپ کی اطاعت پر مجبور ہیں لیکن ان کی یہ مجبوری ان کی رائے کو آپ کی ذاتی رائے کا پابند کرنے کے لئے کافی نہیں۔ ان کے اندر اپنی رائے کا احساس ہے، ان کی نظر میں اپنی رائے کا ایک وزن ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ کسی دوسرے کی رائے کو اختیار کرنے سے پہلے انہیں دلیل سے مطمئن کیا جائے۔

یہ ایک بڑا سخت مقام ہے۔ آپ اپنے مقام اور حیثیت سے نیچے اترنے کے لئے تیار نہیں، جب کہ تبلیغ اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے قریبی ماحول کے لوگوں کے لئے اسی سطح پر آجائیں جو اس کام کے لئے ضروری ہے۔ یہاں آپ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور انہیں آزادی کے ساتھ اپنی رائے کے اظہار کا موقع دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے لیکن آپ کا احساس برتری آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیوں کہ آپ دوسرے معاملات میں ان کے اوپر اپنی رائے مسلط کرتے چلے آئے ہیں، اس لئے یہاں بھی آپ یہی چاہیں گے کہ آپ کے حقِ برتری کو بلاچوں و چرا تسلیم کرلیا جائے۔ جس طرح آپ دوسرے معاملات میں ان کی رائے کی پرواہ نہیں کرتے، اسی طرح تبلیغ کے معاملے میں بھی آپ ان کو کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

یہ ہیں وہ اسباب، جن کی بناء پر آپ اپنے قریبی ماحول میں خود کو تبلیغ کے لئے ناپسندیدہ یا اجنبی بنالیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان باتوں پر عمل کرنے سے آپ کی روِش کی یہ دو رنگی آپ کے لئے کسی الجھن کا سبب بن جائے اور آپ اپنے قریبی ماحول میں تبلیغ کرنا ہی چھوڑ دیں، لیکن یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے جس میدان میں جبر و خوف کا جو رویہ اختیار کر رکھا ہے، کیا وہی رویہ آپ کے لئے ضروری ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ آپ کی یہ روش کسی بھی میدان میں قابلِ تحسین نہیں۔ یہاں ناکامی کا احساس آپ کو اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ جن لوگوں سے آپ کا تعلق ہے، وہ مختلف وجوہ کی بناء پر آپ کی اس روِش کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں، لیکن یہ یاد رکھئے کہ وہ برابر اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس مجبوری کے دائرہ کو جتنا مختصر کیا جاسکے، کردیا جائے، اور آپ غور کریں گے تو آپ محسوس کرلیں گے کہ آپ کو بھی قدم قدم پر اس حقیقت کا احساس ہوتا رہتا ہے لیکن تبلیغ کے دائرہ میں وہ مجبور نہیں ہیں کہ وہ آپ ہی کی بات مانیں۔ اگر آپ انہیں زیادہ مجبور کریں گے تو اس سے یہ ہوگا کہ وہ اپنی ظاہری روِش سے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے لیکن خیالات کی تبدیلی ان میں نہیں آئے گی، اس کے لئے آپ ان کو مجبور نہیں کرسکتے۔

سب سے اہم بات یہی ہے کہ اگر آپ اللہ کے داعی بننا چاہتے ہیں تو اپنے ماتحتوں کے ساتھ آپ کو دونوں دائروں میں تبلیغی رنگ اختیار کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے آپ میں یہ صلاحیت پیدا ہوگی کہ آپ اپنے اختیار کو استعمال کئے بغیر اپنے ماتحتوں سے وہی کام لے لیں گے جو اختیار کو استعمال کرنے کی صورت میں لیتے رہتے ہیں۔

اس سلسلے کی آیات، احادیث اور کافی مواد پہلے گزر چکا ہے۔ مثلاً اللہ کا داعی ہر حال میں، ہر مقام پر اللہ کا داعی رہتا ہے۔ وہ کھانے، پینے میں بھی اللہ کا داعی دکھائی دیتا ہے۔ اپنے گھر میں، اپنے افراد خاندان کے ساتھ زندگی گزارنے میں، رنج و غم کے مواقع پر اس کے داعی ہونے کی شان اس سے جدا نہیں ہوتی۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یہی بات نظر آتی ہے کہ آپ نے اپنے ماتحتوں سے کام لینے میں کبھی اپنے اختیار کو استعمال نہیں کیا۔

خوش مزاجی

بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو خوش مزاج یا ہنس مکھ رہنے کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی شخصیت کے اندر کتنی قوتیں چھپی ہوئی ہیں۔ ان کو اندازہ نہیں کہ دل کش مسکراہٹوں کی کیا قیمت ہے۔ دوسروں کے دلوں کو اپنے بس میں لینے کے لئے خندہ پیشانی کتنا زبردست ہتھیار ہے۔ مسکراہٹ باتوں سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ مسکراتا ہوا چہرہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔

اگر آپ کی بھویں چڑھی ہوئی ہوں اور ماتھے پر بل پڑے ہوئے ہوں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ آپ اس سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ تُرش روی لوگوں کو اپنے سے دور کرنے کے لئے سب سے آسان ترکیب ہے لیکن جو شخص دوسروں کے دلوں میں گھر کرکے ان کے ذہن کو بدلنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ لوگ اس سے دور بھاگیں؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ مسکراتا ہوا چہرہ دوسروں کے دلوں کو جیت لینے کے لئے سب سے زیادہ کار آمد ہتھیار ہے۔

اس کا مطلب بناوٹی ہنسی نہیں ہے، بناوٹی ہنسی کسی کو پسند نہیں، کوئی اس کے دھوکے میں نہیں آتا۔ دل کو گرما دینے والی مسکراہٹیں دل ہی سے نکلتی ہیں۔ خوش مزاجی سے آپ کی طاقتیں کئی گنا بڑھ جائیں گی۔ لوگ بہت جلد آپ کی طرف مائل ہوں گے۔ یہ چیز آپ کی گھریلو زندگی کو [illegible] اور بچوں کی تربیت میں بھی معاون ہوسکتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ کچھ حالات ایسے ہوتے ہیں، جو انسان کو رنج پہنچاتے ہیں لیکن رنجیدہ رہنے سے اسی قدر آپ کی قوت کمزور ہوجاتی ہے، دل کو چین نصیب نہیں ہوتا مگر پریشانی کا اظہار کرنے سے بھی مشکل آسان نہیں ہوتی۔ آپ کے اندر برداشت کی طاقت کم ہونے لگتی ہے لیکن اونچے خیالات اور بلند نگاہ آپ کو حوصلہ مند بناتے ہیں، پھر بڑی سے بڑی پریشانی بھی آپ پر اثر نہیں ڈال سکتی۔

آپ کے سامنے بلند نصب العین ہے، آپ اللہ کے داعی ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ ہے، آپ اللہ کے دین کا کام کر رہے ہیں، پھر آپ تو ایمان و عمل کی دولت سے بھی سرشار ہیں، آپ کو تو یہ یقین ہے کہ جو کچھ ہورہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہورہا ہے، آپ اس سے بہتر امیدیں رکھتے ہیں، آپ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں، پھر آپ سے زیادہ اطمینان اور کسے نصیب ہوسکتا ہے؟ اور جسے اطمینان نصیب ہو وہ کیوں نہیں خوش رہ سکتا؟ اب اگر آپ کے چہرہ سے بھی اطمینان اور مسرت کا اظہار نہیں ہوگا تو پھر اس کی امید اور کس سے ہوسکتی ہے؟ آپ تو اللہ کے شکر گزار بندے ہیں نہ؟ ہنسی خوشی کے بغیر آپ دوسروں سے ہرگز قریب نہیں ہوسکتے۔

ہنس مکھ رہنا، مسکراکر بات کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا اور بات ہے اور خواہ مخواہ غیر سنجیدہ طریقہ سے کھی کھی کرنا اور بات ہے۔ کچھ لوگ خواہ مخواہ بے ہودہ طریقے سے ٹھٹے لگاتے رہتے ہیں، دوسروں کو پریشان کرنا ان کی نظروں میں خوش ہونے اور دوسروں کو خوش کرنے کا طریقہ ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ ان حرکتوں سے آپ دوسروں کا دل موہ لینے کے بجائے انہیں اپنے سے زیادہ دور کردیں گے۔ معذرت چاہتا ہوں۔

کامیابی کا راز

اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کے پاس بیٹھنے سے گھبرائیں تو ان کو بات کرنے کا موقع ہی نہ دیں، جیسے ہی وہ بولیں آپ درمیان میں اپنی بات شروع کردیں اور اپنی ہی سناتے رہیں۔

کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کان کھلے رکھنے کے بجائے صرف بولنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جہاں کچھ خیال آیا، جھٹ سے درمیان میں بولنا شروع کردیتے ہیں، چاہے اس سے بات سننے والے کی تائید ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی باتوں سے اثر قبول کریں، ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو، ان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ دوسروں کی باتیں سننے کی [illegible] کریں، پورا موقع [illegible] کہ مخاطب اپنی بات دل کھول کر بیان کرے، اس کی باتیں [illegible] سنیں

آپ تو اللہ کے داعی ہیں۔ کوشش کیجئے کہ مخاطب کی باتوں سے آپ کچھ ایسے نکتے اخذ کریں، جو آپ کی بات کو ثابت کرنے میں مفید رہیں۔ کسی کی بات کو سننے کے بعد آپ جو جواب دیں، اس میں بھی سلیقہ ہونا چاہیئے۔ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب آپ کو مخاطب کی بات کی تردید کرنی ہو۔ عام طور پر تردید کرنے کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ آپ اپنے مخاطب سے کہیں کہ (۱) اس بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں (۲) تم بات کو سمجھے ہی نہیں (۳) تم جو کچھ جانتے ہو، وہ غلط ہے (۴) تم کو غلط فہمی ہوگئی ہے (۵) تم تو محض جھگڑے اور فساد کی نیّت سے ایسی باتیں کرتے ہو وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے، ان میں سے ہر ایک بات آپ کے مخاطب کو ناگوار معلوم ہوگی لیکن بہرحال، آپ کو اپنے مخاطب کے خیالات کو بدلنا ہے۔ یہی وہ موقع ہے، جس میں پوری احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ہر صورت میں اس کے اندر کا انسان مقابلے کے لئے آمادہ ہوگا۔ ہر انسان کو اپنا عقیدہ، اپنا فیصلہ اور اپنا خیال بہت عزیز ہوتا ہے، اگرچہ وہ اس میں تبدیلی کرتا رہتا ہے لیکن آپ غور کریں گے تو یہ تبدیلیاں ہر شخص اپنے نئے حالات کے تحت خود اپنے طور پر کرتا رہتا ہے اور جب کوئی دوسرا انہیں بدلنے کی کوشش کرتا ہے تو خواہ مخواہ ان کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوجاتی ہے لہٰذا آپ کو یہ مشق کرنا پڑے گی کہ آپ لوگوں کو خود اپنے حالات پر نظرثانی کرنے کے لئے آمادہ کرسکیں۔ ان کے سامنے تنبیہ کے طور پر نہیں بلکہ سوچنے کے لئے کچھ پہلو چھوڑ دیں۔

جس بات کے بارے میں انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں، ان کی براہ راست تردید کئے بغیر آپ یہ موقع تلاش کیجئے کہ اس مسئلہ پر کسی اور پہلو سے مزید سوچنے کے لئے کچھ باتیں آپ اپنے مخاطب کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ اپنی بات پیش کرنے کے بیسیوں انداز ہوسکتے ہیں اور ذرا سی توجہ اور مشق کے بعد آپ کے سامنے بہت سی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ اس طرح آپ اپنے مخاطب کے ذہن کو مزید پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے موڑ سکتے ہیں۔

دیکھیئے، آپ کے مخاطب نے جو رائے قائم کی ہے، اس کے لئے بھی اس کے ذہن میں کچھ دلائل موجود ہیں، اس کے ذہن کی الجھنیں بھی کچھ حقیقت رکھتی ہے، اس کی اپنی پسند اور ناپسند کو بھی اس میں دخل ہے، اس کے ماحول کا بھی اس پر کچھ اثر ہے۔

اللہ کے داعی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کی ذہنی الجھنوں کو سمجھے، ان الجھنوں کو اس کے سامنے اس طرح دہرائیں کہ آپ کو اپنے مخاطب کی ہمدردیاں حاصل ہوجائیں۔ آپ کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ آپ کا مخاطب آپ کو اپنا مخالف نہ سمجھے بلکہ اپنا مشیر اور ہمدرد سمجھے۔ آپ اس کے خیالات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کیجئے بلکہ اس کے خیالات کی تائید میں جو دلیلیں اس کے

پاس ہوں، انہیں بھی دوہرائیں اور اسے یہ محسوس کرائیں کہ آپ اس کی باتیں سمجھنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہی وہ موقع ہوگا کہ اگر آپ چاہیں گے تو اپنی بات اس کے دل میں اتارنے کا موقع پالیں گے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ ایک بات کا اور خیال رکھئے۔ گفتگو کے دوران اگر آپ اپنے مخاطب سے کوئی بات دریافت کرنا چاہیں تو آپ کا سوال ایسا ہو کہ اس کا جواب مخاطب کو رنجیدہ کرنے والا نہ ہو بلکہ جواب دینے سے اسے خوشی اور مسرت محسوس ہو۔ ایسے جوابات جن میں انسان اپنی بڑائی محسوس کرلے، اسے بہت اچھے لگتے ہیں۔ آپ بڑی آسانی کے ساتھ اس قسم کے سوالات کرکے اس کی ذہنی خوشی کا انتظام کرسکتے ہیں، پھر وہ آپ کی طرف خوب راغب ہوگا اور آپ کو اسے سمجھانے کے لئے موقع یا کچھ مدد مل جائے گی۔

آپ اللہ کے داعی ہیں، آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہر شخص کی نظر میں اس کے ذاتی مسائل دنیا کے تمام مسائل سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ کے مخاطب کا ذہن اس وقت کسی خاص مسئلہ میں الجھا ہوا ہے یا کوئی خاص بات اس کی دلچسپیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ آپ کی کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ آپ اپنے مخاطب کی دلچسپیوں میں اپنی بات سمجھانے کی راہ نکالیں۔ تھوڑی سی توجہ دینے سے آپ کو اس کی مشق ہوسکتی ہے کہ کس طرح آپ اس کے دل میں اپنے لئے جگہ بناسکتے ہیں۔ اس کے بغیر آپ کا مخاطب آپ کی باتیں ایک حد تک برداشت کرسکتا ہے لیکن پھر کترانے لگے گا۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کی کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ پہلے آپ اپنے مخاطب کے دل میں اپنی جگہ بنالیجئے۔ اگر آپ کسی مخصوص فرد کو ایک سال تک اپنی توجہ کا مرکز بنالیں گے اور اس سے وقتاً فوقتاً ملتے رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کو اپنا ہم خیال نہ بنالیں۔ اس طرح ایک سال میں آپ کی جماعت کے افراد کی قوت دوگنی ہوسکتی ہے اور یہ بہت ہی تیز رفتار ہوگی۔

آپ اپنی توجہ کا مرکز اس شخص کو بنائیں جو مطالعہ کا شوق رکھتا ہو کیوں کہ اس کا دل، کان اور آنکھ کچھ حد تک کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ زیادہ مستحق ہے۔

تبلیغ میں تدریج

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو اپنی گفتار کے دوسرے رخ کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ آپ سے یہ غلطی ہرگز نہیں ہونی چاہئے کہ اپنے مخاطب پر پورے کا پورا دین ٹھونسنے کی کوشش

کریں اور مذہبی اختلافات کی ساری وادیاں ایک ساتھ پھلانگ لیں تاکہ وہ فکراً اور عملاً الجھ کر رہ جائے اور آپ کی باتوں سے اسے کراہت محسوس ہونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس بات پر عمل کیا ہے اور صحابۂ کرام کو بھی اس کی تلقین کی ہے کہ دین کو بتدریج پیش کیا جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) ورنہ وہ دین کی خدمت کرنے کے بجائے لوگوں کے لئے بوجھ بن جائے گا۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کا ایمان ہے کہ اسلام انسان کی ساری الجھنوں کا حل ہے، یہی بات آپ اپنے مخاطب کے ذہن میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس کو الجھادیں گے تو وہ آپ کی باتوں کو دین کیسے سمجھے گا ؟ وہ پہلے ہی اپنی ذاتی الجھنوں میں الجھا ہوا ہے۔ آپ کو تو اس کی الجھنوں کا حل پیش کرکے یہ ثابت کرنا ہے کہ واقعی اسلام ہی ساری الجھنوں کا حل ہے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ موجودہ فرقہ بندی اور تقلید سے نالاں ہیں، نالاں ہی نہیں بلکہ آپ اس کا یقینی حل بھی جانتے ہیں۔ غرضیکہ آپ اپنے مطالعہ اور علم و عمل کی بنیاد پر موجودہ ماحول کی اصلاح کے لئے اپنے پاس بہت سارا مواد رکھتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ اپنے مخاطب کو یہ ساری باتیں بتانا شروع کردیں اور کوشش یہ کریں کہ وہ آپ کا ہم خیال بن جائے لیکن یہ صورت مناسب نہیں کہ ساری دوائیں اس کو ایک ساتھ پلادیں اور آپ یہ امید رکھیں کہ آپ کا مریض بس ابھی ٹھیک ہوجائے گا۔ اس سے تو اس کے دل اور دماغ میں زلزلہ آجائے گا۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ دوسروں کے خیالات اور سوچنے کا ڈھنگ بدلنا پہاڑ کو ہٹانے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ آپ کی کامیابی یہ ہے کہ آپ کسی طرح اپنے مخاطب کو یہ محسوس کرادیں کہ آپ اسے ایک صاحب الرائے بلکہ سمجھدار شخص سمجھتے ہیں اور یہ کہ آپ اس کی رائے کا وزن محسوس کرتے ہیں۔ اپنے مخاطب میں یہ احساس پیدا کرنے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اس کا ذہن آپ کی باتیں قبول کرنے پر جلد آمادہ ہوجائے گا۔ مثلاً مندرجہ ذیل عنوانات پر آپ اس سے رائے اور مشورہ طلب کیجئے اور اس کے خیالات جاننے کی کوشش کیجئے :-

(۱) کیا جمہوری نظام سے ہمارے مسائل حل ہوسکتے ہیں ؟

(۲) کیا اسلام میں فرقہ بندی کی گنجائش ہے ؟

(۳) دین اور مذہب میں کیا فرق ہے ؟

(۴) چار مذاہب کے برحق ہونے کا علماء کے پاس کیا شرعی ثبوت ہے ؟

(۵) یہ تقلید کیا چیز ہے ؟

(۶) کیا چار اماموں کی تقلید واجب ہے ؟

(۷) کیا دین مکمل نہیں ؟

(۸) حق کا معیار کیا ہے ؟

(۹) یہ ہماری مسجدیں الگ الگ کیوں ہیں ؟

(۱۰) کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے ؟

(۱۱) آخرت کا اسلامی تصور کیا ہے ؟

(۱۲) مسئلہ نور و بشر کی حقیقت کیا ہے ؟

(۱۳) کیا پکی قبریں اور مزارات بنانا جائز ہے ؟ وغیرہ وغیرہ

جب آپ لوگوں سے اس قسم کے سوالات کریں گے تو ظاہر ہے، وہ بالکل خالی الذہن ملیں گے انہوں نے کبھی ان مسائل پر سوچا ہی نہیں یا پھر جو کچھ سمجھ میں آئے گا کہتے رہیں گے۔

اس موقع پر آپ کو بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ آپ کا دل چاہے گا کہ آپ اپنے مخاطب کو عاجز پاکر اپنے مفصل اور مدلل خیالات اس کے سامنے رکھنے لگیں۔ لیکن خبردار! یہ آپ کی فاش غلطی ہوگی۔

آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ آپ اپنے مخاطب کے اندر کم علمی کا احساس پیدا نہ ہونے دیجئے کہ کہیں وہ آپ کے مقابلے میں احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجائے۔ اگر آپ نے یہاں احساسِ برتری دکھائی تو یہ آپ کی ناکامی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ آپ اپنے مخاطب کے سامنے صحیح بات اشاروں اور تجویز کی صورت میں رکھتے چلیں جائیں۔ وہ آپ کے کچھ اشاروں کو اپنی تائید میں پاکر اپنے خیالات کا اظہار کرے گا۔ جب آپ دیکھیں کہ وہ کہیں غلطی کر رہا ہے تو پھر اشاروں سے اس کی اصلاح کردیں۔ آپ اپنے اشاروں کو مشورے کے طور پر پیش کیجئے۔ وہ کہے گا کہ میں یہی تو کہنے والا تھا۔

جب آپ دیکھیں کہ وہ آپ کی پوری بات اپنی طرف سے کہنے کے لئے تیار نہیں یعنی وہ آپ سے کہیں اختلاف کر رہا ہے تو اس نشست میں آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کسی دوسرے موقع پر آپ بقیہ حصہ کو اس کے ذہن میں اتار سکتے ہیں۔ اس کو بھی سوچنے کا موقع دیجئے اور آپ بھی سوچئے کہ کس طرح اس کو راہ راست پر لایا جائے۔

آپ ایک بات کا خیال رکھیئے، منطق، دلیل اور ثبوت سے آپ لوگوں کو خاموش تو کرسکتے ہیں

لیکن کسی بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتے۔ اگر آپ کا مخاطب درپیش مسئلہ اپنے علماء سے پوچھنے کا فیصلہ کرلے گا تو آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے ؟ یہ آپ کی سر تا پا ناکامی ہوگی۔ پھر وہ اپنے علماء سے کوئی دلیل طلب نہیں کرے گا۔ بس اس کی باتوں میں آجائے گا۔ کیوں ؟ وہ عالم اس کے جذبات کو اپیل کرکے اس کے دماغ میں اپنی بات بٹھادے گا۔ لہٰذا آپ بھی لوگوں کے جذبات کو اپیل کرکے ان سے بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سیاسی لیڈروں کی تقریریں نہیں سنیں ؟ کیا وہ دلائل پیش کرتے ہیں ؟ بس لوگوں کے جذبات کو اپیل کرکے اپنا حمایتی بنالیتے ہیں۔

یہ جذبات ہی تو ہیں جو انسان سے وہ سارے کام کرالیتے ہیں جن کو انسان خود منطق اور دلیل کی روشنی میں غلط سمجھتا ہے۔ جمہوریت کی بنیاد جذبات ہی پر کھڑی ہے، دلائل پر نہیں۔ الغرض، دلائل اور ثبوت کے علاوہ جذبات بھی تبلیغ کا ایک ذریعہ ہیں جن کو نظر انداز کرکے باطل کو جیتنے کا موقع نہ دیجئے اور لوگوں کے نیک جذبات کا فائدہ خود ان کو پہنچانے کے لئے بتدریج اپنی تبلیغ کی رفتار کو تیز کردیجئے۔

جذبات کا احترام

انسان کی فطرت یا اس کی نفسیات بڑی پیچیدہ ہے، پھر ہر انسان کے الگ الگ حالات کے اعتبار سے اس کے اچھے برے اوصاف میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً جس کا غصہ تیز ہوتا ہے، وہ جذباتی ہوتا ہے اور جس میں غصہ کم ہوتا ہے، وہ بردبار نظر آتا ہے، مگر علم و تربیت سے غصہ میں کمی کی جاسکتی ہے اور بردباری میں ترقی ہوسکتی ہے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو یہ تجربہ ضرور ہوا ہوگا کہ آپ کی بہت سی رائے غلط ہوتی ہیں گویا آپ سے غلطیاں سرزد ہوجاتی ہیں یا آپ جذبات میں آکر غلط فیصلے کرلیتے ہیں یا غصہ میں آکر کسی کو نہ کہنے کی بات کہہ جاتے ہیں۔ یہی حال دوسروں کا بھی ہے۔ پھر آپ کو کیا حق ہے کہ آپ دوسروں کو ان کی رائے کی غلطی کی بنیاد پر انہیں حقیر سمجھیں ؟ یا ان کے فیصلوں کی تردید کریں ؟ آپ کو یہ تو خوب اندازہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص آپ کی رائے کو غلط کہے تو آپ پر کتنا ناگوار گزرتا ہے ؟ حالانکہ آپ تسلیم کرچکے ہیں کہ آپ کی بہت سی رائے غلط ثابت ہوچکی ہیں۔ بس اس سے اندازہ لگالیجئے کہ آپ جب دوسروں کی رائے کو غلط کہتے ہیں تو انہیں بھی یقیناً تکلیف ہوتی ہوگی۔ آپ اپنی فطرت یا نفسیات سے دوسروں کا اندازہ کیوں نہیں لگاتے ؟

دوسروں کے خیالات اور رائے کی تردید محض زبان ہی سے نہیں ہوتی بلکہ آپ اپنی نظر،

اپنے لب و لہجہ اور اپنے چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے بھی تردید کرتے ہیں۔ خبردار! آپ اللہ کے داعی ہیں، آپ جب ایسا کرتے ہیں تو ان کی ذہانت پر حملہ کرتے ہیں۔ یہ تو ان کی خودداری پر براہ راست حملہ ہے۔ اس کے جواب میں وہ فطری طور پر آپ سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے اس موقع پر آپ چاہیں کیسی ہی عمدہ دلیل ان کے سامنے پیش کریں اور کتنے ہی بہتر طریقے پر ان کی غلطی ان پر واضح کردیں، وہ کبھی آسانی سے آپ کا ہم خیال بن جانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے جب آپ ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائیں گے تو بھلا بتائیے! وہ اپنی رائے بدلنے کے لئے کیوں تیار ہوں گے؟

آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ دو چار باتیں کہہ کر ان کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کردیں لیکن لوگوں کو اپنی رائے بڑی عزیز ہوتی ہے۔ وہ آسانی سے اپنی رائے کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔

جب صورت حال یہ ہے تو آپ اپنی راہ میں مشکلات کیوں پیدا کرتے ہیں؟

آپ کی کامیابی، تو اس میں ہے کہ آپ یہ کام اس طرح کریں کہ آپ کے مخاطب کو محسوس نہ ہونے پائے کہ آپ اس کے خیالات اور اس کی رائے کو بدلنے کے لئے اپنی کمر باندھ چکے ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ اپنے مخاطب کی غلطی کو فوراً محسوس کرلیتے ہیں، پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ اپنے مخاطب پر دلائل کی گولیاں برسانا شروع کردیتے ہیں۔ آپ کے دلائل نے اس کے جذبات کی ڈھال کو چھلنی تو کردیا ہے لیکن اس کو ہم خیال نہیں بنایا لیجئے، آپ کی تمام گولیاں ضائع ہوگئیں۔ منافع میں آپ کو اس کی مخالفت کے علاوہ اور کیا چیز ملی؟

آپ تو اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ آپ اپنے مخاطب کو یہ محسوس بھی نہ ہونے دیں کہ آپ نے اس کی رائے کے بارے میں خود کیا رائے قائم کی ہے۔ اس کا اثر آپ کے مخاطب پر اچھا نہیں پڑے گا بلکہ آپ اس سے یوں کہیں کہ ممکن ہے میرا خیال غلط ہو اور آپ ہی صحیح نتیجہ پر پہنچے ہوں لیکن کیا حرج ہے کہ ہم اس مسئلہ پر مزید کچھ غور کریں یا اسی طرح کے مناسب جملے کہیں۔ ان الفاظ میں ایک جادو ہے اور ان کو منہ سے نکال کر کبھی آپ کسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوں گے۔ بحث کا دروازہ وقتی طور پر بند ہوجائے گا اور آپ اپنے مخاطب کو معقول حالت میں رخصت کریں گے کہ دوبارہ جب ملاقات ہو تو پھر کوئی افہام و تفہیم کی بات چل نکلے اور وہ زیادہ کھلے دل کے ساتھ آپ کی باتوں پر غور کرے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں، آپ کو تو یہ تجربہ ہوگا کہ بہت ہی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دلائل کا وزن محسوس کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو آپ اپنی بات کی تکرار کرنے والا پائیں گے کیوں کہ ان کے

پاس علم نہیں ہوتا اور یہی نہیں بلکہ ان کے اندر بہت سے روگ ہوتے ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی آپ کے خلاف شک رکھتا ہو اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ تو بہت ہی بڑا روگ ہے۔ غرضیکہ ایسے تو کتنے روگ ہوتے ہیں جو لوگوں کے سوچنے اور سمجھنے پر اثرات ڈالتے ہیں اور جن کی بنیاد پر لوگ آپ کے دلائل کو مان کر بھی اپنے خیالات بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اپنے خیالات تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم خود اپنے فیصلوں کے خلاف عمل کرتے رہتے ہیں، لیکن اس میں وقت لگتا ہے۔ واقعات بدلتے ہیں اور ہماری رائے میں خود بہ خود تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن فوری طور پر ہمیں اپنی رائے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے۔

یہی حال ہمارے عقائد و نظریات کا بھی ہے لیکن آپ محسوس کریں گے کہ عقائد کے معاملے میں انسان بہت کم سوچتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ جب ہم اپنے مخاطب کے سامنے اس کے عقیدے کی کمزوری واضح کرنے لگتے ہیں تو وہ ان کی حفاظت میں اور زیادہ سرگرم ہوجاتا ہے۔

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ اس مسئلہ کا حل آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ دیکھئے، اس خطرہ کے پیش نظر بہترین حکمت یہ ہے کہ آپ ایسی کوئی صورت اختیار نہ کریں جس کی وجہ سے وہ ضد میں آکر اپنے عقیدہ کی طرفداری کرنے پر آمادہ ہوجائے۔ اس کو اس حد تک جانے ہی نہ دیں۔ یہاں آپ کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ آپ کا مخاطب خود اپنے خیالات اور عقائد پر غور کرنے لگے۔ آپ کسی قدم پر اسے ہرگز یہ محسوس نہ ہونے دیں کہ آپ اس کے خیالات کی تبدیلی کرنے کے درپے ہیں۔ اس حکمتِ عملی پر مشق اور توجہ کی ضرورت ہے۔

ہم میں سے اکثر لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہم اپنے مخاطبین پر اپنی رائے اور اپنے فیصلہ کی بڑائی ثابت کردیں گے تو ان پر ہمارا رعب قائم ہوجائے گا لیکن نتیجہ کے اعتبار سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ہماری ہر کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم لوگوں کی رائے اور عقائد کو کھوکھلا ثابت کردیں۔

جن لوگوں نے تجربہ کیا ہے، وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ انکساری کے ساتھ اپنی رائے اور عقیدہ پیش کرنا کس درجہ مفید ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مخاطب آسانی سے اپنی رائے کو چھوڑ کر آپ کی رائے اختیار کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

یہاں آپ سوال کریں کہ کیا کسی کی غلط بات سن کر ہم اسے غلط بھی نہ کہیں ؟ اور اس کی تردید بھی نہ کریں ؟

یہ صحیح ہے کہ اللہ کے داعی کا وجود ہی غلطی کو مٹانے کے لئے ہے۔ اس کا تو یہ فرض ہے کہ ہوسکے تو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان ہی سے برائی کو دور کرنے کی کوشش کرے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ آپ جس بات کو غلط محسوس کریں اس کو فوراً کہہ بھی دیں ؟ اگر ابتدائی مراحل میں آپ اس غلطی کو اپنے دل میں غلط سمجھیں اور ایک ایسی فضاء تیار کریں کہ آپ کا مخاطب خود ہی اپنی غلطی کو غلط محسوس کرلے تو اس میں کیا حرج ہے ؟

حکمتِ تبلیغ کے تقاضے کے طور پر آپ اپنی رائے کا اظہار نہ کریں۔ اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

آپ جس مسئلہ پر اپنے مخاطب سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں، اس مسئلہ میں آپ کو اپنے مخاطب کے ذہن کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ جس کو سرے سے اسلام سے دلچسپی ہی نہ ہو، اس سے آپ تقلید اور فرقہ بندی پر گفتگو کرکے اسلام سے مزید متنفر کرنے کے سوا اور کیا کریں گے ؟

بہرحال، جب دین میں ملاوٹ کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت خالص دین کو اختیار کرنا ہمیشہ مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اللہ کے داعی کے دل میں بعض اوقات مایوسی کے جذبات طاری ہونے لگتے ہیں۔ اس سے بچنے کی ایک ہی یقینی صورت ہے، وہ یہ کہ ظاہری ناخوشگواریوں کے پیچھے جو خوشگوار پہلو چھپا ہوا ہے، اس پر نظر جمائے رکھئے۔ لوگ مادیت کے بل پر جیتے ہیں لیکن اللہ کے داعی کو آخرت کے بل پر جینا پڑتا ہے۔

آپ اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کیجئے اور جنت کی نعمتوں کو یاد کیجئے۔

ہار جیت کا جذبہ

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ ایک بڑے مقصد کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کے ہم خیال ہوجائیں اور آپ کی بات ان کے دل میں اتر جائے، لیکن بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ بات بات میں دوسروں سے الجھ جاتے ہیں گویا وہ تیار ہی بیٹھے ہیں۔ جب ان کو کوئی موقع ملے، دوسروں پر نکتہ چینی کریں اور بحث و مناظرہ کی سطح پر اپنی بات منوائی جائے، لیکن آپ غور کریں گے تو یہ بات ضرور مان لیں گے کہ مناظرے جیتنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ بحث سے بچنا چاہئے، جیسے زہریلے سانپ سے۔ ننانوے فیصد مناظروں کے اختتام پر دونوں فریق یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی بات درست ثابت ہوگئی کیوں کہ اس صورت میں آپ نے یہی تو ثابت کیا کہ آپ کا مخالف بیوقوف ہے۔ چلیئے، اب تو کچھ دیر کے لئے خوش ہوگئے

لیکن اس سے اس کی رائے تو نہیں بدلی۔

رائے بدلنے میں بحث و تکرار اور جیت بالکل کام نہیں دیتی۔ بحث و مباحثہ میں آپ کسی ان پڑھ کو بھی زیر نہیں کرسکتے، زیادہ سے زیادہ اسے لاجواب کرسکتے ہیں۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعی آپ کی بات بالکل ٹھیک ہوتی ہے اور اتنی صاف اور واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اسے مان ہی لینا چاہئے لیکن اس کے باوجود وہ نہیں مانتا۔ بحث و تکرار کرتا ہے، غلط سلط باتیں منہ سے نکالتا ہے، بحث طول پکڑنے لگتی ہے، بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، نہ سمجھنے والے کو یہ خیال رہتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہئے اور نہ سننے والا آپے میں رہتا ہے۔ آپ کو ایسا موقع ہرگز نہ آنے دینا چاہئے لیکن اگر آپ کبھی اس حال میں پھنس جائیں تو اس سے نکلنے کی کوشش کیجئے، ورنہ تھوڑی سی تدبیر سے آپ اس منظر کو بدل سکتے ہیں۔ کسی نہ کسی انداز میں آپ اس کی بڑائی کو تسلیم کرلیجئے تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑجائے گا اور اس کا دل صحیح بات کو ماننے کے لئے تیار ہوجائے گا ورنہ اس کو سمجھنے کا موقع دے کر بات کو ختم کردیجئے۔

بالکل یہی حال آپ بہت سے صاحب علم حضرات کا پائیں گے۔ آپ ان کے سامنے ایک بات رکھیں، آپ کی بات بالکل ٹھیک ہوگی لیکن وہ آپ کی بات کو مان کر آپ کے مقابلے میں اپنے آپ کو چھوٹا اور کم علم کیسے ثابت کردے؟ اس پر اس کی انا کبھی آمادہ نہیں ہوسکتی۔ اگر آپ کوئی ایسی صورت اختیار کریں کہ اس کے احساس علم کو ٹھیس نہ لگے تو آپ اپنی بات یقیناً منواسکتے ہیں۔

آپ کو ایک اور بات بھی گرہ میں باندھ لینی چاہئے، وہ یہ کہ آپ ہمیشہ اس بات کی کوشش کریں کہ علماء، گاہکوں، بیویوں اور شوہروں سے بحث و مباحثہ میں ہار جایا کریں۔ ان میدان میں ہارنا ہی آپ کی جیت ہے۔

جس شخص کو دنیا میں کچھ کام کرنا ہو، اس کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ ذرا ذرا سی بات میں جھگڑتا رہے۔ آپ نے اپنی بات بچاری، کیا یہ آپ کے لئے اطمینان بخش نہیں؟ بدکے ہوئے گھوڑے کو راستہ دے دینا ہی بہتر ہے۔

غرض، بحث و مباحثہ میں جیتنے کے بجائے، اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے، کیوں کہ جو بحث میں اترتا ہے، وہ جیتنے کے لئے ہی اترتا ہے اور وہ یقیناً جیت کر ہی رہے گا، پھر بھلا وہ آپ کی بات کیونکر مانے گا؟ اگر آپ بھی اس کے سامنے اکڑ گئے تو آپ بھی یقیناً جیت جائیں گے مگر بے فائدہ۔

آپ تو اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو ایسی جیت سے کیا غرض؟

قدر دانی

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ نے ایک بہت بڑا کام کرنے کا اردہ کرلیا ہے۔ وہ یہ کہ آپ لوگوں کے ذہنوں کو بدلنا چاہتے ہیں۔ آپ ان کے دلوں سے ان کے محبوب خیالات کو نکالنا بلکہ نوچنا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی نفسانی خواہشات کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ان کے دلچسپ مشاغل سے ان کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ بیشک یہ ایک بہت بڑا کام ہے جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ کام سلیقے سے کیا جائے تو بڑا دلچسپ کام ہے گویا آپ لوگوں کے ارمانوں سے کھیلنا چاہتے ہیں۔

آپ کے لئے یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ لوگوں کو کس طرح سے اپنی طرف متوجہ کیا جائے؟ اس کی ایک نہایت اہم بنیاد ہے، وہ یہ کہ ہر انسان کی یہ کمزوری ہے کہ اس کی قدر کی جائے اور اسے اچھا سمجھا جائے۔ آپ بھی تو یہی چاہتے ہیں نہ ؟ دوسرے بھی یہی چاہتے ہیں۔ لیجئے، ہر انسان کی ایک کمزور ترین رگ آپ کے ہاتھ میں آگئی۔

آپ کی یہ دلی تمنا ہے کہ لوگ آپ کی خوبیوں کو محسوس کریں اور آپ کی قدر کریں۔ دوسرے بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان کی خوبیاں محسوس کی جائیں اور ان کی قدر کی جائے۔

یہ جو کچھ کہا جارہا ہے، حقیقی خوبیوں کے بارے میں کہا جارہا ہے۔ اس سے وہ تعریف مراد نہیں جس سے گھمنڈ اور غرور پیدا ہوجاتا ہے، بلکہ ان باتوں کی تعریف کی طرف اشارہ ہے جس سے دوسروں کی قدر افزائی ہوتی ہے۔ جائز اور صحیح قدر افزائی۔

آپ اس موقع کی تلاش میں رہیئے اور اس سے کام لیجئے۔ ایسا کون سا شخص ہے جس میں کوئی نہ کوئی خوبی موجود نہ ہو ؟ ذرا آپ لوگوں کی خوبیوں کو تلاش تو کیجئے۔ ان کی مدد سے آپ ان کی برائیوں کو دور کرنے کی راہیں نکال لیں گے۔ عیبوں پر نظر رکھنا آسان ہے۔ آپ اس کام کے لئے دوسروں کو چھوڑ دیجئے، پھر دیکھئے کہ لوگ آپ کی طرف کیسے مائل نہیں ہوتے ؟ مثلاً کسی کے گھر میں جائیے۔ کوئی چیز آپ کو پسند آئے تو اس کی طرف توجہ سے دیکھئے۔ پھر پوچھئے یہ آپ نے کہاں سے خریدی، بہت اچھی ہے۔ اس کے بچوں سے پیار کیجئے۔ بچوں کی خوبیاں بھی بیان کیجئے۔

الغرض، موقع کی مناسبت سے جائز قدر دانی کیجئے۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اس کی بیمار پرسی کے لئے ضرور جائیے اس کے لئے دعاء کیجئے اور دلاسہ دیجئے۔ غرض یہ کہ حوصلہ افزائی اور قدر دانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ پھر آپ اس سے جو بات بھی کریں گے، وہ توجہ سے سنے گا۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔ اب آپ کے لئے تبلیغ کا راستہ ہموار ہوگیا، جو کام مشکل ترین تھا وہ

آسان ہوگیا۔ روزآنہ ایک گھنٹہ اس مشغلہ کے لئے نکالئے لیکن پچھلی حکمتوں کو بھی یاد رکھئے۔

شاہ کلید

آپ اللہ کے داعی ہیں۔ آپ کو اپنے مخاطب کے سوچنے کے ڈھنگ کو بدلنا ہے۔ آپ اس سے کچھ ایسی باتیں منوانا چاہتے ہیں جن کو اب تک وہ نہیں مانتا تو پھر پہلے آپ اس سے وہ بات کیوں نہیں منواتے جس کو وہ بھی مانتا ہے اور آپ بھی مانتے ہیں ؟ آپ جس موضوع پر اس سے بات کرنا چاہتے ہیں، کیا اس کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس پر وہ اور آپ دونوں ہم خیال ہوں، مثلاً فرقہ بندی، اس موضوع پر کسی نہ کسی پہلو سے وہ ضرور آپ کا ہم خیال ہوگا۔ بس وہیں سے بسم اللہ کیجئے۔

لوگ عام طور پر اختلافی پہلو سے گفتگو شروع کردیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ آپ ایک اصولی بات پر سختی سے عمل کیجئے۔ اپنے مخاطب کو "نہیں" کہنے کا موقع نہ دیجئے۔ جب کوئی شخص ابتدا ہی میں "نا یا نہیں" کہہ دیتا ہے تو پھر اسی نہج پر گفتگو چل نکلتی ہے، اس لئے یہ نقطہ قابلِ لحاظ ہے کہ آپ اپنے مخاطب سے کچھ باتوں کو منواتے چلے جائیں بلکہ ایسی باتوں کو دھرائیں۔ یہی وہ حکمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار کی ہے اور اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی تلقین کی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرماتا ہے:۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ، إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (العنکبوت - ۶۱-۶۲)

اور (اے رسول!) اگر آپ ان (مشرکین) سے پوچھیے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے تو پھر یہ کہاں بہکے چلے جارہے ہیں! اللہ ہی بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے، رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کردیتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین اس بات کو مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ سورج اور چاند کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے مسخر کیا ہے لیکن رزق کے معاملے میں وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ان چیزوں کو دلیل کے طور پر پیش کیا جن کو وہ مانتے تھے۔ پھر اس دلیل نے اس چیز کو ثابت کیا جس کو وہ نہیں مانتے تھے۔ پھر

فرمایا، تم لوگ بہک گئے ہو گویا تمہارے علماء نے تم کو گمراہ کردیا ہے۔ اللہ تو ہر چیز سے واقف ہے، اس کو معلوم ہے کہ اس نے کس کو کتنا رزق دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے آگے فرماتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
(العنکبوت - ۶۳-۶۴)

اور (اے رسول!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ بادل سے پانی کون برساتا ہے؟ اور پھر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کون کرتا ہے؟ تو یہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ۔ (تو) آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریف اللہ کے ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ یہ دنیا کی زندگی تو بس کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں (برخلاف اس کے) دارِ آخرت کی زندگی حقیقت میں اصل زندگی ہے، کاش! انہیں معلوم ہو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین اس حقیقت کو مانتے تھے کہ بادل سے پانی اللہ تعالیٰ ہی برساتا ہے اور اس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد وہی زندہ کرتا ہے، پھر مشرکین کو مان لینا چاہئے کہ وہی زمین سے انواع و اقسام کا غلہ پیدا کرکے ان کو رزق فراہم کرتا ہے۔ مگر وہ اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے علماء کے بہکاوے میں آکر اپنے بزرگوں کی تعریف کرتے تھے۔ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے اور ان کے نام کی نذرو نیاز کرتے تھے اکثر لوگوں کا یہی حال تھا اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر اس قسم کے کھیل تماشے یہ کرتے تھے اسی طرح آخرت کی اصل زندگی کو یہ لوگ بھلا بیٹھے تھے گویا اس کا انہیں کوئی علم ہی نہیں تھا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مانی ہوئی باتوں کو بنیاد بناکر نہ مانی ہوئی باتوں کو منوایا جاسکتا ہے۔ اللہ نے ان دلائل سے یہ ثابت کردیا کہ وہی رازق ہے، وہ اس لائق بھی ہے کہ اسی کی حمد کی جائے اور اس کی بات بھی مان لی جائے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے آگے فرماتا ہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا،

اور (اے رسول!) یہ مشرکین جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو دین کو خالص اللہ کے لئے مانتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ انہیں (سمندر سے) نجات دے کر خشکی پر [illegible] تو وہ شرک

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ٥
(العنکبوت - ٦٥، ٦٦)

کرنے لگتے ہیں (یعنی پھر اپنے شرکاء کو پکارنے لگتے ہیں تاکہ جو نعمتیں ہم نے انہیں دی ہیں ان کی (اور) ناشکری کرلیں اور (دنیا میں کچھ دن اور) مزے اڑالیں پھر عنقریب انہیں معلوم ہوجائے گا (کہ ناشکری کا انجام کیا ہوتا ہے)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین سمندر میں اللہ تعالیٰ ہی کو مشکل کشاء مان کر اسی کو پکارتے تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ خالص دین کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہیئے لیکن خشکی پر وہ اپنے بزرگوں اور علماء کے بہکاوے میں آکر خالص دین کو نہیں مانتے تھے۔ اپنے شرکاء کو پکارتے تھے۔ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے اور ان کے نام کی قربانیاں کرکے ان کو ایصال ثواب پہنچاتے تھے گویا ان کا شکر ادا کرتے تھے۔

اسی طرح مشرکین جس حقیقت کو مانتے تھے اس کو دلیل یا بنیاد بناکر ان کو راغب کیا گیا کہ وہ خشکی میں بھی اللہ تعالیٰ کے خالص دین کو مانیں اور اس کے مطابق خشکی میں بھی اللہ ہی کو پکاریں اور اس کا شکریہ ادا کریں۔ اس سے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ، اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ٥ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ، اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ٥ (العنکبوت - ٦٧، ٦٨)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے حالانکہ ان کے گردونواح سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں، تو کیا یہ لوگ پھر بھی باطل پر ایمان لاتے ہیں؟ اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ ان سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے جھوٹی باتیں گھڑے؟ یا جب حق ان کے پاس آئے تو اسے جھٹلائے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟

مشرکین عرب کعبہ کا احترام کرتے تھے اور ہر سال اس کا حج اور عمرہ بھی کرتے تھے۔ وہ ملت ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ کرتے تھے اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت سی سنتوں کی پیروی بھی کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کعبہ امن کا مقام ہے۔ اس کے علاوہ پورے عرب کی سرزمین کا وہ احترام نہیں کرتے تھے اس لئے کعبہ کے علاوہ وہ ہر جگہ لوٹ کھسوٹ کو جائز سمجھتے تھے۔ الغرض، وہ کعبہ کو اللہ کا گھر مانتے تھے۔ پھر بھی وہ باطل پرستی پر ایمان رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی شکرگزاری بھی کرتے تھے۔

وہ مانتے تھے کہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے امن کی جگہ بنایا ہے۔ بس ان کے اسی عقیدہ کو بنیاد بناکر اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری کو باطل پرستی اور شرک ثابت کیا۔ ان کے علماء اپنے خود ساختہ عقائد بلکہ اپنے شرک کو حق ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے تھے تاکہ ان باتوں کو عوام کے سامنے بطور حجت پیش کرکے اپنے عقائد کو حق ثابت کیا جائے۔

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مانی جانے والی بات کو بطور دلیل پیش کرکے مشرکین کے عقائد کی تردید کی ہے جو ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

(آل عمران - ۶۴)

(اے رسول! اللہ کے راستے کی طرف انہیں دعوت دیجئے اور ان سے کہیئے۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے (وہ یہ کہ (۱) ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، (۲) اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کریں اور (۳) اللہ کے علاوہ ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں۔ اگر یہ (اس بات سے) منہ موڑیں تو (اے ایمان والو!) ان سے کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تین عقائد کو بنیاد بناکر اہل کتاب کو اسلام کی طرف دعوت دی مگر عملاً وہ ان تینوں باتوں میں شرک کرتے رہے۔ جب عوام میں اپنے علماء اور بزرگوں کی عقیدت بیٹھ جاتی ہے تو سب سے بڑا عقیدہ یہی بن جاتا ہے کہ ہم اپنے فرقے کے علماء کی بات کو مانیں گے۔ وہ دین کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، پھر دین کا ہر عقیدہ ناکارہ ہوجاتا ہے، بلکہ عوام اس کو مانتے ہوئے بھی نہیں مانتے۔ یہی علماء اور بزرگوں کو اپنا رب بنالینا ہے۔ وہ جو اعمال بتائیں وہ عبادت بن جاتی ہے پھر علماء اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں کہ ہر شرک توحید بن جاتا ہے اور افسانے اور کہانیاں عقائد بن جاتے ہیں۔

الغرض، یہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طرزِ استدلال ہے کہ دعوت اور تبلیغ میں مشترکہ طور پر مانی جانے والی باتوں سے ابتداء کی جائے پھر انہیں باتوں کو دلیل بناکر نہ مانی جانے والی باتوں کو منوایا جائے لیکن عام طور مبلغین اس طرزِ استدلال سے انحراف کرتے ہیں اور اختلافی باتوں ہی سے اپنی تبلیغ کا آغاز کردیتے ہیں، چاہے اس کے نتیجہ میں مخاطب کے اندر اشتعال ہی کیوں نہ پیدا ہوجائے۔ ظاہر ہے، جب علماء کا طرزِ استدلال یہ ہوگا تو مبلغین ان کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلیں گے؟

علماء صرف باتیں اچھی اچھی کرتے ہیں مگر عملاً ان کا طرزِ استدلال یہی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے فرقہ وارانہ فساد ہوتے رہتے ہیں گویا تبلیغ میں علماء پرستی کی ریہرسل ہورہی ہے۔ اکثر فرقوں میں یہی کچھ ہورہا ہے۔ نتیجتاً فرقہ پرست علماء قتل ہورہے ہیں۔ مسجدوں میں نمازیوں کو قتل کیا جارہا ہے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقے کے خلاف بھڑکایا جارہا ہے۔ یہ علماء پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟

حکمت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان ـ ۱۳)	اور (اے رسول، وہ وقت یاد کیجئے) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا "اے میرے بیٹے، اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

باتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک نصیحت اور دوسری تفریح۔ نصیحت کی بات ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے۔ وہ آدمی سے کچھ کرنے اور کچھ نہ کرنے کے لئے کہتی ہے۔ انسان کا عام مزاج یہ رہا ہے کہ وہ تفریح کی باتوں کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس کے برعکس معاملہ اہل ایمان کا ہوتا ہے، ان کا نصیحت پسندانہ مزاج انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ سچائی اور حقیقت کا اعتراف کریں۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے کی تلقین کی۔ شرک یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کو اپنا حقیقی محسن سمجھ لے اور اس کے لئے اپنی احسان مندی کے تمام جذبات نچھاور کردے۔ جب دینے والا صرف ایک ہے تو شکر گزاری بھی اسی کی ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا محسن سمجھنے کے احساس ہی سے توحید کا جذبہ ابھرتا ہے، ورنہ توحید پرست ہوکر بھی مشرک ہی رہتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ (یوسف ـ ۱۰۶)	اور (اے رسول!) لوگوں میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی لے آتے ہیں اور اس کے ساتھ شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔

حق کے ظہور کے بعد جو لوگ حق کو نہ مانیں، وہ ہمیشہ اپنے انکار کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ جو دلیل ان کو حق کی طرف سے مطلوب تھی، وہ ابھی تک ان کو نہیں ملی۔ اگر ایسی دلیل ہوتی تو وہ ضرور اس کو حق مان لیتے مگر حقیقت بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے۔ حق کے مقابلے میں جب انسان سرکشی دکھاتا ہے تو اس کی اکثر وجہ اللہ تعالیٰ کی [illegible] ہوتی ہے اور ناشناسی

ایسی بدبو ہے جو شرک کے جراثیم پیدا کرتی ہے، پھر انسان اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کا احسان مند ہوجاتا ہے۔

ایسا ایمان جو شرک سے ملوث ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (الانعام - ۸۳)

جو لوگ ایمان لائے، پھر انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں کی تو ایسے ہی لوگوں کے لئے (ایمان و) امن ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ (کرامؓ) نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول! ہم میں ایسا کون ہے، جس نے (کبھی) ظلم نہ کیا ہو؟" اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

جب کسی چیز یا شخصیت کو معبود و دستگیر یا مشکل کشاء کا درجہ دے دیا جائے تو اس کے فطری نتیجہ کے طور پر اس کے لئے احسان مندی اور شکر گزاری کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں، پھر اس کے ساتھ پراسرار عظمتوں کے تصورات وابستہ ہوجاتے ہیں۔ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا۔ (الانعام - ۸۲)

تم لوگوں نے جن کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، ان سے کیا ڈرنا؟ جب کہ تم (اس بات سے) نہیں ڈرتے کہ تم لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں، جس کی تم پر اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

مشرکین کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اس گستاخی کے نتیجہ میں ان پر کوئی وبال نہ آپڑے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہوں نے ڈرایا اور کہنے لگے۔ تم ایسی بات نہ کرو ورنہ ان معبودوں کا تم پر وبال آجائے گا۔

یہ پراسرار عظمتوں پر مبنی عقائد صرف توہم پرستی کا نتیجہ ہوتے ہیں جو صرف ماننے والوں کے عقائد پر قائم ہوتی ہے۔ ماننے والے مانیں یا نہ مانیں، اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو کوئی مانے یا نا مانے اپنے آپ قائم و دائم ہے۔

ناشکری سے غافل انسان اپنی جگہ پر پہنچ نہیں پاتا۔ اس کے برعکس شکر کرنے والا انسان اپنے حقیقی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ شکر کا مزاج انسان کو اپنی پہچان کرادیتا ہے بلکہ وہ اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے۔

نصیحت سے مراد یہ ہے کہ بھلائی کی تلقین ایسے انداز میں کی جائے جو دل کو نرم کرنے والا ہو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ بات کو کسی نہ کسی طریقہ سے سنا دیا جائے۔ یہ صرف کہنا ہے، نصیحت نہیں ہے۔ نصیحت اس کہنے کا نام ہے جس میں سنجیدگی ہو، درد مندی ہو، خیر خواہی ہو، نرم گفتاری ہو، دل کی تڑپ ہو اور اصلاح کا سچا جذبہ ہو۔

شرک کی برائی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کا واقعہ اصلاً دل کے اندر ہوتا ہے، پھر اس کی علامتیں اور اس کے مظاہر خارجی زندگی میں نمایاں ہوتے ہیں۔ شرک بلاشبہ شکر کی ضد ہے۔ ایک انسان جس کے اندر اپنے رب کے لئے شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوچکا ہو، وہ کبھی اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا۔ شرک سب سے بڑی ناشکری ہے اور اسی وجہ سے شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

حضرت لقمانؑ نے کہا کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ ظلم کا مطلب، کسی چیز کو وہاں رکھ دینا جو اس کا اصل مقام نہیں ہے۔ انسان کے اندر کسی کو بڑا ماننے، اس کو سب کچھ سمجھنے، اس سے امید اور خوف کے جو جذبات ہیں، ان کو ایک اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کردیا جائے تو یہ گویا ان جذبات کو اپنے صحیح مقام پر رکھنا ہے اور اگر ان جذبات کو کسی اور کے لئے وقف کردیا جائے تو یہ گویا ان جذبات کو غلط مقام پر رکھ دینا ہے۔ پہلا انسان توحید پرست ہے اور دوسرا انسان بہت بڑا ظالم یعنی مشرک۔

اسی طرح نصیحت کو غلط موقع و محل پر کرنا بھی ظلم ہے۔ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے داعی میں موقع شناسی کی صفت موجود ہونی چاہیئے۔ موقع شناسی میں یہ ضروری ہے کہ بے موقع و محل نصیحت کرکے اپنی بات کو ضائع نہ کیا جائے اور جب کوئی مناسب موقع دستیاب ہوجائے تو اسے بھی ضائع نہ کیا جائے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت لوگ مصروف ہوں یا کسی وجہ سے بات سننے کی طرف مائل نہ ہوں تو اسی وقت انہیں نصیحت کرکے اپنی بات کو ضائع نہ کیا جائے اور لوگوں کو تنگ دل کرنے سے بہتر ہے کہ بات کو کسی بہتر موقعے کے لئے اٹھا رکھا جائے۔ موقعے سے فائدہ اٹھالینے کی مثال کو سمجھنے کے لئے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالتِ اسیری کے اس واقعہ کو یاد رکھنا مفید رہے گا جو سورۂ یوسف میں بیان ہوا ہے۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام قید خانہ میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ دو نوجوان بھی اس قید خانہ میں داخل ہوئے۔ ان دونوں نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کے لئے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے پاس آئے۔ ان دونوں نے ان کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ ہمیں آپ بڑے ہی نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں، آپ ہمارے خوابوں کی تعبیر بتادیجئے۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے کہا کہ تمہیں جو کھانا ابھی ملنے والا ہے، اس سے پہلے ہی میں تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔ (یوسف ۳۶، ۳۷)

باوجود اس کے کہ سب قیدی برابر ہوتے ہیں، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ قیدیوں میں ان کی شرافت و حسنِ اخلاق کا عام چرچا تھا۔ ہر ایک سے ملتے وقت خندہ پیشانی، عجز و انکساری اور اخلاق و مروت کا برتاؤ، غرضیکہ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کا اثر نہ پڑتا ہو۔ قیدیوں کے دل بے اختیار ان کی طرف کھنچنے لگے اور وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مصلحت کا مظہر تھا۔

خوابوں کی تعبیر لینے کے لئے ان قیدیوں کا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرنا، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی انسانی فطرت مردہ نہیں ہوئی تھی اور ان میں مشاہدہ کی قوت ابھی باقی تھی۔ لوگ علمِ منطق سے زیادہ اپنے مشاہدات و تجربات پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقعہ کو تبلیغ کے لئے غنیمت سمجھا اور حکمتاً ان سے کہا کہ کھانا آنے سے پہلے میں تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔ وہ اگر چاہتے تو فوراً ان کے خوابوں کی تعبیر بتاسکتے تھے مگر انہوں نے ان کے دلوں میں تجسس پیدا کرکے اپنی طرف متوجہ کیا یعنی تجسس اور انتظار کی حالت میں ان سے جو بات بھی کہی جائے گی، اس کو وہ توجہ سے سنیں گے، کیوں کہ انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ جو چیز ان دونوں کو ان کے پاس لائی ہے، وہ ان کے بھیانک خواب ہیں اور یہ لوگ اسی طرح کی باتوں کو زندگی کا اہم ترین مسئلہ سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے رنج و راحت، کامرانی اور ناکامی کا تصور اس دنیوی زندگی ہی سے وابستہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بصیرت کی دولت عطاء فرمائی تھی، دعوت اور تبلیغ کے لئے ان کے مزاج کو ڈھالا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ دونوں قیدی جس حقیقت کو فراموش کررہے ہیں، وہ ان خوابوں سے کہیں زیادہ قابل فکر بات ہے اور وہ حقیقت ہے توحید کی، جس میں شرک کی ملاوٹ نہ ہو۔

کیا اس زندگی کی حقیقت ایک خواب سے زیادہ ہے ؟ لیکن ان قیدیوں کے لئے ان کے خواب کی حقیقت کو جاننا زیادہ ضروری تھا اور وہ اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند تھے۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ہمدردی اور خیر خواہی کا جو جذبہ عطاء فرمایا تھا اس

کا تقاضہ یہی تھا کہ اصل خطرہ سے ان کو آگاہ فرمائیں، لہٰذا جب انہوں نے دیکھا کہ ان قیدیوں کا ذہن ان کی بات کو سمجھنے کے لئے بالکل آمادہ ہوچکا ہے تو انہوں نے سوچا کہ یہی ایک موقعہ ہے بات کو سمجھانے کا، نصیحت کرنے کا اور تبلیغ کرنے کا، اور ہوسکتا ہے اس کے بعد ایسا کوئی اور موقعہ نہ ملے، لہٰذا اس موقعہ کو کھونا خلافِ حکمت ہے، لہٰذا ان کے دماغ میں ایک اچھا تخم ڈال ہی دیا جائے۔ خواب کی تعبیر نے ایک اچھی تقریب اور مناسب سلسلۂ کلام کا ذریعہ پیدا کردیا ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی جائے اور ان کی فطرتِ سلیم کو بیدار کیا جائے کہ وہ واضح اور قابلِ فہم عقیدۂ توحید کو سمجھ سکیں اور شرک کی ہولناکیوں سے ڈرنے لگیں تاکہ ان کی نظر میں ان کے خوابوں کی تعبیر کی اہمیت ختم ہوجائے۔

نصیحت، گفتگو یا تبلیغ کا آغاز کس قدر حسین پیرایہ سے کیا گیا ہے، اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کی بات کے لئے گفتگو کا پیرایہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے۔ آدابِ کلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بات کا حسن ختم ہوجاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نصیحت و تبلیغ کا آغاز اس طرح فرمایا۔ پہلے ان کو مطمئن کیا کہ وہ ان کے خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہیں اور جس مقصد کے تحت وہ ان کے پاس آئے ہیں، اس میں ان کو کامیابی ہوگی۔ انہوں نے اپنی غرض کے لئے ان کے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ صحیح منزل پر پہنچ چکے ہیں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک ضرورت مند یہ چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت جلد از جلد پوری ہوجائے، لہٰذا ان کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا کہ جو کھانا ابھی تم کو ملنے والا ہے، اس کے آنے سے پہلے میں تم کو تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔ اس طرح یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی حکمت کے ساتھ اپنی تبلیغ کے لئے ان کا ضروری وقت نکال لیا جو تبلیغ کے نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا۔ وہ خوابوں کی تعبیر سے پہلے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر بات اپنے فطری جذبہ کے تحت سننے کے لئے تیار ہوچکے تھے بلکہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے اپنی بات سنانے کے لئے ان کے کانوں کو آمادہ کرلیا تھا۔

پھر اپنی بات کی ابتداء خواب کی تعبیر کی گفتگو سے شروع کرتے ہیں بلکہ اسی بات میں سے اپنی تبلیغ کے لئے سرا نکال لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ "میرے رب نے جن جن باتوں کی مجھے تعلیم دی ہے، ان میں سے ایک خواب کی تعبیر بتانے کا علم بھی ہے۔" (یوسف ۳۷)

غور کیجئے، کس درجہ حکیمانہ اسلوب سے ان کو اپنی بات سننے کے لئے تیار کیا گیا اور پھر یہیں سے بات کا رخ پھیرا گیا، گویا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام جو بات کرنے جارہے ہیں، اس کا تعلق بھی

خواب کی تعبیر ہی سے ہے، اس لئے ان کے کان اور زیادہ تیز ہوگئے، یعنی خواب کی تعبیر کا علم بھی ان باتوں میں سے ہے جن باتوں کی تعلیم میرے رب نے مجھے دی ہے گویا خواب کی تعبیر بیان کرنے میں میرے علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے رب کا فضل ہے جس نے مجھے یہ صلاحیت عطاء فرمائی ہے یعنی ان کے ذہن کو اس ہستی کی طرف متوجہ کیا جو سب سے بالاتر ہے۔ بس یہیں سے دعوت و تبلیغ کا سرا نکلتا ہے۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی گفتگو کا موضوع بدلے بغیر ہی اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھا اور خواب کی تعبیر کے علم کو دوسرے علوم سے جوڑ کر ان کو اپنے رب کی طرف منسوب کردیا۔ اس طرح ان قیدیوں کو اپنے رب کی طرف متوجہ کیا پھر ایمان اور آخرت پر آگے فرمایا۔ "میں نے اس قوم کی ملّت کو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، ترک کردیا ہے" (یوسف۔ ۳۷)

یہاں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لطیف پیرائے میں قیدیوں کے دین پر تنقید کی مگر ان کو برا محسوس نہیں ہوا بلکہ وہ ان کی بات کو توجہ سے سنتے رہے۔ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عقائد کا واضح الفاظ میں اظہار کیا پھر فرمایا۔ "میں تو اپنے آباء و اجداد ابراہیم اسحاق اور یعقوب کی ملّت کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور (تمام) لوگوں پر (بڑا) فضل ہے (کہ وہ بار بار صحیح راستہ کی نشاندہی کرتا رہتا ہے لیکن اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے" (یوسف۔ ۳۸)

شرک ایک ایسی چیز ہے جس سے ہر زمانہ میں لوگ نفرت کرتے رہے ہیں مگر کوئی شرک کو شرک نہیں سمجھتا لہٰذا آپ نے کسی کو مشرک نہیں کہا بلکہ اپنے مخاطبین کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے نہایت لطیف اور خوبصورت پیرائے میں استدلال کرکے ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ غور کیجئے، اس تنقید میں کہیں بھی ترش روی نظر نہیں آتی بلکہ افسوس اور صدمہ کے احساس کا اظہار ہورہا ہے۔ آیت میں تنقید کے الفاظ یہ ہیں۔ "ہمارے لئے زیبا نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔" اس جملہ کی جگہ وہ یہ جملہ بھی کہہ سکتے تھے۔ "تم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ تم لوگ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک کرو۔" جس کا مفہوم یہ ہوتا کہ تم لوگ مشرک ہو۔ ان دونوں جملوں پر غور کیجئے اور ان کے فرق کو محسوس کیجئے۔ ان دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی نکلتا ہے مگر احساس الگ الگ مرتب ہوتا ہے۔ ایک جملہ سے افسوس کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرے جملہ سے کراہت نمایاں ہوتی ہے۔ پہلا جملہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور دوسرا جملہ مشتعل کرتا ہے کہ تم ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو۔

اتنا کہنے کے بعد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس کیا کہ اب وہ ایک محفوظ پوزیشن میں ہیں۔ ان کو اپنے مخاطبین کی طرف سے جواب الجواب کا کوئی خطرہ نہیں تو آگے پھر اپنائیت کا صیغہ اختیار کرکے فرمایا۔ "اے میرے جیل کے ساتھیو، (بتاؤ) کیا (مختلف قوموں اور قبیلوں کے یہ) علیٰحدہ علیٰحدہ رب بہتر ہیں یا اللہ (بہتر) ہے جو واحد (و یکتا) اور غالب و زبردست ہے ؟ (یوسف۔ ۳۹)

اس جملہ کے لہجہ میں سختی ہے مگر اس سختی کے احساس کو دو چیزیں نرم کردیتی ہیں (۱) "اے میرے جیل کے ساتھیو!" اس میں شفقت کا اظہار ہے۔ (۲) یہ پورا جملہ سوالیہ لہجہ میں ہے۔ استدلال کی رو سے یہ جملہ عقل کو اپیل کرتا ہے پھر یہ جملہ ان کے معبودوں کو چھوڑنے کی ان کو اپیل بھی نہیں کرتا بلکہ غوروفکر کی دعوت دیتا ہے اور ان کی عقل کو اپیل کرتا ہے کہ ہمیں اللہ اکیلے کو اپنا آقا اور رب مان ہی لینا چاہیئے۔ اس جملہ میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اپنی مرضی سے اپنا عقیدہ تبدیل کرلو، پھر اس جملے میں ان کے معبودوں کو برا بھی نہیں کہا گیا۔ ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے کہ دونوں قیدی ابھی تک مشتعل نہیں ہوئے تھے بلکہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کو غور سے سن رہے تھے۔

اس جملہ کے بعد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مخاطبین پر غالب آگئے گویا وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنے نیچے والوں کو خطاب کررہے ہیں، فرماتے ہیں:۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ، اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف ۔ ۴۰)

اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! جن ہستیوں کی تم اللہ کے علاوہ پرستش کرتے ہو، یہ تو بس نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ (اور یہ بھی سن لو کہ) حکم کسی کا نہیں چلتا سوائے اللہ (اکیلے) کے، (تو پھر بغیر اس کے حکم کے ان ہستیوں کی عبادت کیسے ہورہی ہے ؟ برخلاف اس کے) اس نے تو یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو، سوائے اس کے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ (اتنی واضح بات کو بھی) نہیں جانتے۔

اس آیت میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ہم" کی جگہ "تم" کا صیغہ اختیار کرکے اپنے آپ کو ان سے الگ کرلیا پھر فرمایا کہ جن ہستیوں کی تم عبادت کرتے ہو، اس نام کی ہستیوں کا

کہیں کوئی وجود نہیں۔ یہ صرف نام ہی نام ہیں جو تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لئے ہیں گویا یہ تمہارے آباء و اجداد کے اوہام کے بُت ہیں اور تم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر اوہام پرستی میں مبتلا ہوچکے ہو، جس کا تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت نہیں۔ تم درخت، پتھر، سورج، ستارے اور ارواح کو پوجتے ہو۔ تم ان کو پوجتے کیا ہو؟ ان کو مشکل کشاء اور حاجت رواء کا القاب دیتے ہو اور اپنے اوہام سے یہ سمجھ لیتے ہو کہ واقعی یہ تمہارے مشکل کشاء و حاجت رواء ہیں۔ اللہ کا فرمان تو یہی ہے کہ اس کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو۔ وہی تمہارا مشکل کشاء اور حاجت رواء ہے، یہی دین فطرت ہے لیکن انسان کی اکثریت ہمیشہ شرک میں مبتلا رہتی ہے۔

یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے دونوں ساتھیوں کا صبرو تحمل دیکھ کر خطابی طرزِ استدلال اختیار کیا اور چند الفاظ میں سب کچھ بیان کردیا۔

یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام پہلے یہ بات کہہ دیتے تو ان پر گراں گزرتی لہٰذا پہلے انہوں نے نرم لہجہ اختیار کیا اور خود کو بھی اس میں شامل کیا تاکہ ان میں سننے کا حوصلہ پست نہ ہوجائے۔ اگر وہ (قیدی) پہلے ہی جواب الجواب کا سلسلہ شروع کردیتے تو وہ (یوسفؑ) یہ طرزِ استدلال اختیار نہ کرتے جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بعد میں مبہم طرزِ استدلال اختیار کرلیا تھا اور خود یوسف علیہ الصلو والسلام نے بھی بعد میں غالباً یہی طرزِ استدلال اختیار کرلیا تھا ورنہ وہ ایک لمبے عرصہ تک مصر میں اقتدار پر قائم نہیں رہ سکتے تھے۔

اگر وہ (اس وقت) نرم سلسلۂ کلام جاری رکھتے تو خشک اور بے جان بات ہوتی لیکن انہوں نے اپنے مخاطبین کے چہروں پر اطمینان کے آثار دیکھ کر اپنی بصیرت سے یہ اندازہ نکال لیا تھا کہ وہ صدائے آسمانی کو سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور اسی لئے ان کے بعد کے خطاب میں خود اعتمادی جھلکتی ہے۔ اگر وہ یہاں منطقی طرزِ استدلال اختیار کرتے تو ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا لہٰذا انہوں نے اپنے بعد کے خطاب میں جذباتی طرزِ استدلال اختیار کیا کیوں کہ جہلاء اسی طرزِ استدلال سے متاثر ہوتے ہیں اور پھر تھوڑے وقت میں منطقی طرزِ استدلال کیسے اختیار کیا جاسکتا ہے؟ جہاں بار بار ملنے کا موقعہ ملے اور جہاں کوئی علم والا ہو، وہیں منطقی طرزِ استدلال مفید رہتا ہے۔ یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے جذباتی خطاب کے بعد محسوس کیا کہ اب ان کے صبرو تحمل کی حد ختم ہوچکی ہے اور اب حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ بات کو طول نہ دیا جائے اور توحید کا مضمون زیادہ پھیلاکر بیان نہ کیا جائے، اپنی تبلیغ کو ختم کردیا اور ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتادی۔

ایک ماہر طبیب جانتا ہے کہ مریض کو کتنی غذا اور کس قدر دوا کی مقدار درکار ہے۔ اسی طرح

اللہ کے داعی کے لئے اپنے مخاطب کا علمی معیار، جذباتی رجحان اور صبر و تحمل کی گنجائش کو جاننا ضروری ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دعوت کی صلاحیت دی ہو، وہ اندازہ کرلے گا کہ کس حد تک پہنچنے کے بعد اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔

یہ واقعہ موقع شناسی کی بہترین مثال ہے بلکہ تبلیغ کی حکمتوں سے لبریز ہے۔

مناسب موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ذہن کو ہمہ وقت تیار رکھا جائے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اچانک تبلیغ کے لئے کوئی قیمتی موقعہ مل جاتا ہے مگر چونکہ ذہن تیار نہیں ہوتا اس لئے ٹال مٹول ہی میں وقت گزر جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے داعی کا فرض ہے کہ اپنی بات پیش کرتے وقت اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لے آئے اور کوشش یہ کرے کہ اس کی بات زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہو۔ تاہم ہر ممکن احتیاط برتنے کے باوجود اگر اسے یہ نظر آئے کہ جن لوگوں میں وہ محنت کر رہا ہے، وہ دین کی طرف مائل نہیں ہوئے تو اس سے ناامید اور دل شکستہ ہونے کی قطعی کوئی بات نہیں۔ اسے پوری تسلی رکھنی چاہیئے کہ وہ جس کی راہ میں یہ تگ و دو کر رہا ہے، وہ انتہائی قدر شناس ہے اور کبھی کسی مخلص کی مخلصانہ کوششوں کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝
(لقمان - ١٦)

اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کوئی عمل) ہو اور وہ پتھر کے اندر (پوشیدہ) ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں (کسی بھی جگہ مخفی) ہو تو اللہ اسے (قیامت کے دن نکال کر) لے آئے گا۔ بیشک اللہ (بہت) باریک بین اور (بڑا) باخبر ہے (کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا)

اللہ کے داعی کو چاہیئے کہ وہ ہر آن اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں سمجھے۔ وہ اس یقین کے ساتھ دنیا میں رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح سے دیکھ رہا ہے۔ جن لوگوں کے دل میں یہ احساس بیٹھ جائے تو ان کی پوری زندگی احتیاط اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ گزرتی ہے۔

حوصلہ مندی کے راز

(۱) ملنے والی چیز مل کر رہتی ہے، اس لئے اپنے اختیار سے زیادہ کوشش نہ کیجئے۔ محرومی تقدیر کے مطابق ہوتی ہے لہٰذا مایوس ہونے کی ضرورت بھی نہیں۔

(۲) امکانات پر غور کیجئے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجئے، مگر آپ کے نقصان کا ذمہ دار کوئی نہیں۔

(۳) دوسروں کے بولنے سے فائدہ اٹھائیے، مگر بولیئے اس وقت جب فائدہ کا امکان ہو، خواہ وہ کسی کا بھی ہو۔

(۴) با اختیار مخالف فائدہ نہیں پہنچا سکتا، مگر تقدیر یا تدبیر سے۔

(۵) آپ جو کہتے ہیں اس کے تمام تقاضے بھی پورے کیجئے، ورنہ آپ جو کہتے ہیں، وہ نہیں ہوگا۔ الغرض، قیمت دیجئے اور سودا لیجئے۔

(۶) اپنے حریف کو اپنے منصوبہ سے آگاہ نہ کیجئے۔ جب آپ کا منصوبہ مکمل ہوجائے گا تو اس کے پاس آپ کے مقابلہ کے لئے وقت نہیں ہوگا۔

(۷) کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے زیادہ الجھ نہیں سکتا، لہٰذا اپنی الجھن خود ہی دور کیجئے۔

(۸) ہر وقت اپنے حق سے کم لینے کے لئے راضی رہیئے اور اپنے حق سے زیادہ دینے کے لئے تیار رہیئے کیوں کہ آگے بڑھنے کا یہی تقاضا ہے۔

(۹) اگر آپ کوئی اقدام نہیں کرسکتے تو مایوس نہ ہوں، انتظار (صبر) کیجئے، حالات تبدیل ہوں گے تو امکانات بھی نکل آئیں گے۔

(۱۰) زندگی کے مسائل تدبیر سے حل ہوتے ہیں، نہ کہ احتجاج سے۔

(۱۱) اپنے مخالف کے اختیار سے نہ ٹکرائیے۔ آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ آپ کا مخالف اپنے اختیار کو استعمال ہی نہ کرسکے۔ اس کے لئے کوئی تدبیر سوچیئے۔

(۱۲) ہر انسان ایک پھول کے مثل ہے، مگر پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ ان کانٹوں سے بچ کر ہر انسان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، لیکن اگر الجھنا پڑے تو جذبات سے قطعاً نہیں، تدبیر اور حکمت سے کام لیجئے اور نتیجہ جو بھی نکلے اسے برداشت کرلیجئے ورنہ فساد کا امکان ہے۔ (ورنہ اس کے بعد نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ پر عمل کیجئے)

(۱۳) شکست تاثیر ہے، ناکامی نہیں، کیوں کہ نہ گرنا کمال نہیں، کمال یہ ہے کہ پھر از سر نو کھڑا ہو جائیے۔

(۱۴) برائی کرنا برا ہے لیکن برائی کرنے والے سے نفرت کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔

(۱۵) رکاوٹوں سے مایوس نہ ہوں، ٹکراؤ سے ناکامی کے امکانات ہیں، لہٰذا الہام و تفہیم یا تدبیر سے کام لیجیے، ورنہ منصوبہ میں تبدیلی کیجیے کہ تقدیر کا یہی تقاضا ہے۔

(۱۶) محرومی ترقی کا زینہ ہے، اگر وہ آپ کی مخفی قوتوں کو بیدار کرنے والی ثابت ہو۔

(۱۷) صبر منصوبہ بند عمل کا دوسرا نام ہے۔

(۱۸) خوشبو اپنے وجود کے اعلان کی محتاج نہیں۔

(۱۹) موقعہ کو استعمال کرنے کا نام قیادت ہے۔

(۲۰) سچا آغاز ہمیشہ سچے انجام پر ختم ہوتا ہے۔

(۲۱) حقیقت کا اعتراف کیجیے، کیوں کہ حقیقت اپنا اعتراف کروالیتی ہے، لہٰذا آپ حقائق کے موجد بنیے، اور حقائق واقعات سے ظہور میں آتے ہیں، کیوں کہ واقعات سے حالات بدلتے ہیں، لہٰذا آپ جن حقائق کے موجد ہوں گے، ان کا اعتراف کروالیں گے۔

الحمد اللہ! کتاب اختتام کو پہنچی۔

اس کتاب کو مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:۔

(۱) تفسیر قرآن عزیز جلد اول تا نہم از جناب سیّد مسعود احمد صاحب (امیر جماعت المسلمین)

(۲) تزکیر القرآن جلد اول و دوم از علامہ وحیدالدین خان (صدر اسلامی مرکز بھارت)، ناشر، فضلی سنز کراچی۔

(۳) داعی کے اوصاف از بنت الاسلام۔ ناشر، ادارہ بتول، لاہور

(۴) تبلیغ کی حکمت از عبدالحئی (بھارت) ناشر، اسلامک پبلشرز، لاہور

(۵) تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب از سیّد ابوالحسن علی ندوی (بھارت)، ناشر، مجلس نشریات اسلام کراچی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک وتعالےٰ	.. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	.. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	.. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلمین	.. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالےٰ سے تعلق	.. دنیوی تعلقات نہیں
وجہِ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمان باللہ العظیم	.. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ ہماری اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔
تعارفی پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین



JAMAAT-UL-MUSLIMEEN [INDIA]

[Preaching pure and unadulterated Islam]

www.india.aljamaat.org

Flat #204, Saleem Masood Complex,
Nizam Colony, Toli chowki,
Hyderabad – 500 008 (A.P.)
Cell: 9246343676 / 7396620946